انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— **مدیر:** ابوالاعلی سید سبحانی

جلد: ۳، شمارہ: ۳، نومبر ۲۰۱۸ء / صفر المظفر۔ ربیع الاوّل ۱۴۴۰ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی .... نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی .... لکھنؤ

انیس احمد فلاحی .... جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰ روپے
	بیرون ملک	۵ امریکی ڈالر
سالانہ زر تعاون:	اندرون ملک	۳۰۰ روپے
	بیرون ملک	۲۰ امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰ روپے
	بیرون ملک	۳۰۰ امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۵)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۵
افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۲)	ظفر احمد الاثری	۱۴
قرآن کریم میں صحابیات کے اوصاف	ڈاکٹر احسان اللہ فہد	۲۷
جابر اور متشدد حکمرانوں کا عروج اور اس کی قرآنی توجیہ	عبدالبر اثری فلاحی	۴۱
اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات (۱)	ضمیر الحسن خان فلاحی	۵۱
شہر حیرت کا شاہزادہ۔عزیز نبیل	سید راشد حامدی فلاحی	۶۸
نایاب خطوط	ادارہ	۷۶
شعر و نغمہ	احسان الحق عارف آئمی	۷۸
	سرفراز بزمی فلاحی	
	ارشد جمال صارم	
تعارف و تبصرہ	سعید اختر اعظمی	۸۱
آپ کے خطوط	ادارہ	۸۴
جامعہ کے لیل و نہار	مصباح الباری فلاحی	۸۵

خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اپنی بات

وطن عزیز میں فسطائی طاقتوں کے لیے ماحول سازی بلکہ ان کے لیے اسٹیج سجانے کا کام ملک کی سیکولر کہلائی جانے والی سیاسی پارٹیوں کا مرہون منت ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، موجودہ حکومت کی تشکیل سے پہلے والے دس سال کا بے لاگ تجزیہ بہت حد تک اس دعوی کو مضبوطی فراہم کرنے کے لیے کافی ہے۔ سیریل بم دھماکے، خطرناک قسم کے فسادات، سماج میں زہر گھولنے والے بیانات، اور فسطائی عزائم کے ساتھ کام کرنے والے انتہا پسند اداروں اور تنظیموں کی کھلے عام دہشت گردانہ سرگرمیاں۔۔۔ سیکولر کہلائی جانے والی سیاسی پارٹیوں کے زیر سایہ ملک میں فسطائیت کو فروغ دینے والے ان تمام عوامل کو ہر سطح پر خوب آزادی ملی۔ اتر پردیش میں مظفر نگر اور آس پاس کے علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات کی لہر کو جس طرح بے قابو آگ کی طرح پھیلنے کا موقع دیا گیا، وہ سمجھنے والوں کے لیے کھلا اشارہ تھا کہ اس فرقہ واریت کے ماحول میں ذات پات کی بنیاد پر قائم اتر پردیش کی سیاست کا مستقبل کیا ہوگا، اور ملکی سیاست پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ اسی پر ملک بھر میں رونما ہونے والے اس جیسے دیگر واقعات وحوادث اور ان کے منطقی نتائج کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوا سب کچھ غلط اندازوں کے نتیجے میں ہوا۔ عوام کو صحیح رُخ دینے کے بجائے حکومتیں عوام میں فروغ پارہے غلط رُخ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی لا حاصل کوششیں کرتی رہیں۔

ملک میں غیر معمولی اکثریت کے ساتھ فسطائی طاقتوں کے برسر اقتدار آنے کا بڑا نقصان لازمی اور منطقی نتیجے کے طور پر یہ ہوا کہ 'سیکولر' کہلائی جانے والی سیاسی پارٹیوں پر مشتمل اپوزیشن بہت ہی کمزور اور بہت ہی بے اثر ہوکر رہ گئی، اور اپنے منفی ایجنڈوں کی بنیاد پر اقتدار میں آنے والی فسطائیت کو بغیر کسی رکاوٹ کے ہر سطح پر اور ہر طرح سے اپنا رنگ دکھانے کا موقع مل گیا۔ اور چونکہ یہ کسی مثبت اور تعمیری ایجنڈے کے بجائے بہت ہی منفی اور کمزور بنیادوں پر برسر اقتدار آئی ہے، لہٰذا یہ شروع ہی سے اپنے آج اور کل دونوں ہی کے سلسلے میں سخت قسم کے اندیشوں اور موہوم خطرات کا شکار رہی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ان اندیشوں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے جس رُخ کو اختیار کیا ہے وہ اور زیادہ فسطائی اور جارحانہ ہے۔ گزشتہ دو تین سالوں کے حالات کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی پوری کوشش ہے کہ جن حالات کے نتیجے میں اس کو اقتدار تک پہنچنے کا موقع حاصل ہوا ہے، ان حالات کو کسی نہ

کسی درجہ میں باقی رکھا جائے، یہ اس کے باقی رہنے کے لیے بھی ضروری ہیں اور اس کے آگے بڑھنے کے لیے بھی ضروری ہیں۔ ملک میں اقلیتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اور جو کچھ ہو رہا ہے، خواہ قتل، خون اور جارحیت کی شکل میں، یا زہریلے پروپیگنڈوں کی شکل میں، اس میں مذہبی انتہا پسندی سے بڑا رول اس سیاست کا ہے۔ اس کے لیے عام ہندوستانیوں کے مذہبی جذبات کا کل کی طرح آج بھی خطرناک حد تک استحصال جاری ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جیسے جیسے انتخابات قریب ہوتے ہیں فرقہ واریت کو فروغ دینے والی سرگرمیاں بھی تیز ہو جاتی ہیں۔

فسطائیت کا ایک پہلو استبدادی بھی ہے۔ فسطائیت میں آزادیٔ فکر و نظر اور آزادیٔ اظہارِ رائے بالکل اسی طرح مبغوض ہوتی ہے جیسا کہ ایک استبدادی نظام میں ہوتی ہے۔ آزادی کے ساتھ سوچنے سمجھنے، اور لکھنے بولنے کا ماحول فراہم کرنے والے، اجتماعی شعور کو بیدار کرنے والے یا عوامی ذہن سازی کرنے والے عوامل کو نہ تو فسطائیت قبول کرتی ہے اور نہ استبدادی حکومتیں۔ حکومت پر اثر انداز ہونے والے اور اس کی جوابدہی متعین کرنے والے اداروں اور افراد کو کمزور اور بے اثر بنانا یا اپنے موافق بنانا ان کی مجبوری ہوتی ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ اس ماحول سے ہندوستان ابھی تک مانوس نہیں ہے۔ ایمرجنسی کے سخت ترین ماحول میں قید و بند کی سخت آزمائشوں کے باوجود بھی یہاں کے عوام اس استبداد کو قبول کرنے سے انکاری رہے۔

موجودہ حکومت کی پالیسیوں کا یہ پہلو بھی کسی سانحہ سے کم نہیں ہے کہ اس نے آزادیٔ اظہارِ رائے اور آزادیٔ فکر و نظر پر ہاتھ صاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ حکومتی پالیسیوں پر تنقید کرنے والے اداروں اور افراد کے ساتھ اس کا رویہ بہت ہی جارحانہ ہوتا جا رہا ہے۔ گزشتہ دنوں کرناٹک کی معروف جرنلسٹ اور تجزیہ نگار گوری لنکیش کا خون اور اس سے قبل پروفیسر ملیشپا کلبرگی، کووند پانسرے اور نریندر دابھولکر کا خون اور ان تمام واقعات پر حکومتی اداروں کا رویہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

ضرورت ہے کہ فسطائیت کی ہر قدم پر حوصلہ شکنی کی جائے۔ پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان بھی اور ملک کے عام شہریوں کے درمیان بھی اس کے تباہ کن عزائم سے واقفیت عام کی جائے۔ ان کے اندر ملک کے تحفظ کا احساس بیدار کیا جائے۔ ہندوستانی سماج کا ایک بڑا حصہ آج بھی فسطائیت اور اس کے مہلک اثرات کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہے، بس ضرورت ہے بیداری کی۔ واقفیت عام کرنے کی۔ اجتماعی شعور کو آواز دینے کی۔ حالات یقیناً تبدیل ہوں گے۔

ابوالاعلی سید سبحانی

اردوتراجم قرآن پرایک نظر (۳۵)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اورعظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظرتحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کوکم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جوترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اوراشاعت کے بعدبھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اوراس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حدتک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۴۸) بظاهر تفضیل مگر حقیقت میں مبالغہ

قرآن مجید میں جگہ جگہ اسم تفضیل جمع مذکر سالم کی طرف مضاف ہوکر آیا ہے، جیسے خیر الرازقین اور أحسن الخالقین ،ایسے تمام ہی مقامات پر تفضیل مقصود نہیں ہوتی ہے، بلکہ صفت میں مبالغہ اور کمال مقصود ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق ہے، تفضیل کے مفہوم میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ دوسروں میں بھی وہ صفت موجود ہے، البتہ کسی میں دوسروں سے زیادہ ہے، جبکہ مبالغہ میں یہ لازم نہیں آتا ہے کہ دوسروں میں بھی وہ صفت موجود ہے، بلکہ کلام کا سارا زور موصوف پر ہوتا ہے، کہ یہ صفت موصوف میں اعلی درجے میں پائی جاتی ہے۔ خیر الرازقین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رازق بہت سے ہیں اور اللہ سب سے بہتر رازق ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ رازق ہے اور رزق کی صفت اس کے اندر اعلی درجے میں ہے، بالفاظ دیگر وہ بہترین رازق ہے۔ أحسن الخالقین کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ بہترین خالق ہے، نہ یہ کہ وہ خالقوں میں سب سے بہتر خالق ہے۔ ان دونوں الفاظ کے حوالے سے سابق میں گفتگو ہوچکی ہے۔

ذیل میں مزید کچھ الفاظ کے حوالے سے تراجم قرآن کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱) وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ (الانبیاء:83)

''اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے'' (احمد رضا خان)

''اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے'' (جوادی)

(۲) فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِين۔ (المومنون:109)

''ہمیں معاف کردے، ہم پر رحم کر، تُو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے'' (سید مودودی)

''ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے'' (جوادی)

(۳) وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِين۔ (المومنون:118)

''اور پیغمبر علیہ السلام آپ کہئے کہ پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے'' (جوادی)

''اے محمدؐ، کہو، ''میرے رب درگزر فرما، اور رحم کر، اور تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے'' (سید مودودی)

(۴) وَأَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ (الاعراف:151)

''اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا'' (احمد رضا خان)

''اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے'' (محمد جونا گڑھی)

(۵) يَغْفِرُ اللّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ (یوسف:92)

''اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے'' (احمد رضا خان)

''خدا تم کو معاف کرے۔ اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

(۶) وَمَكَرُواْ وَمَكَرَ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (آل عمران:54)

''پھر بنی اسرائیل (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیریں کرنے لگے جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے'' (سید مودودی)

''اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا اور خدا خوب چال چلنے والا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مکر) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے'' (محمد جونا گڑھی)

(۷) وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (الانفال:30)

''وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے'' (سید مودودی)

''اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر'' (احمد رضا خان)

(۸) بَلِ اللّهُ مَوْلاَكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِيْنَ۔ (آل عمران:150)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے'' (سید مودودی)

''بلکہ اللہ ہی تمہارا مولی ہے اور وہی بہترین مددگار ہے'' (محمد جونا گڑھی)

''بلکہ خدا تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے'' (فتح محمد جالندھری)

(۹) إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ۔ (الانعام:57)

''فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے، وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''
(سید مودودی)

''حکم نہیں مگر اللہ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا'' (احمد رضا خان)

(۱۰) رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ (الاعراف:89)

''اے رب، ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے'' (سید مودودی)

''اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے'' (احمد رضا خان)

''اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

(۱۱) أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ۔ (الاعراف:155)

''ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں پس ہمیں معاف کر دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ سب سے بڑھ کر معاف فرمانے والے ہیں'' (سید مودودی)

''تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے'' (محمد جوناگڑھی)

''تو ہمارا ولی ہے۔ ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بڑا بخشنے والا ہے'' (جوادی)

(۱۲) وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔ (یونس:109)

''اور صبر کرتے رہیں یہاں تک کہ خدا کوئی فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''
(جوادی)

''اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے'' (سید مودودی)

(۱۳) أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔ (یوسف:80)

''یا پھر اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرما دے کہ وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' (سید مودودی)

''یا اللہ تعالیٰ میرے معاملے کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے'' (محمد جوناگڑھی)

(۱۴) ”فَاصبِرُوا حَتَّى يَحكُمَ اللّٰهُ بَينَنَا وَهُوَ خَيرُ الحَاكِمِينَ“(الاعراف:87)

”تو ذرا ٹھہر جاؤ! یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کیے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“(محمد جونا گڑھی)

”تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے“(سید مودودی)

(۱۵) وَإِنَّ وَعدَكَ الحَقُّ وَأَنتَ أَحكَمُ الحَاكِمِين۔(ھود:45)

”اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے“(سید مودودی)

”اور تیرا وعدہ اہل کو بچانے کا برحق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے“(جوادی)

”یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے“(محمد جونا گڑھی)

(۱۶) أَلَا تَرَونَ أَنِّي أُوفِي الكَيلَ وَأَنَا خَيرُ المُنزِلِين۔(یوسف:59)

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں“(محمد جونا گڑھی)

”دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور کیسا اچھا مہمان نواز ہوں“(سید مودودی)

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمانداری بھی خوب کرتا ہوں“(فتح محمد جالندھری)

”کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں“(احمد رضا خان)

منزل کا صحیح ترجمہ میزبان ہے، مہمان نواز ہونا اس کا لازم ہے۔

(۱۷) وَقُل رَّبِّ أَنزِلنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيرُ المُنزِلِينَ۔(المومنون:29)

”اور کہہ، پروردگار، مجھ کو برکت والی جگہ اتار اور تُو بہترین جگہ دینے والا ہے“(سید مودودی)

”اور عرض کر کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے“(احمد رضا خان)

اور یہ کہنا کہ پروردگار ہم کو بابرکت منزل پر اتارنا کہ تو بہترین اتارنے والا ہے۔(جوادی)

اور کہنا کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر ہے اتارنے والوں میں۔(محمد

جوناگڑھی)

(۱۸) رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْداً وَأَنتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔ (الانبیاء:89)

''اے پروردگار، مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور بہترین وارث تو تُو ہی ہے'' (سید مودودی)

''پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے'' (فتح محمد جالندھری)

مذکورہ بالا تمام آیتوں میں سب سے زیادہ اور سب سے بہتر کے بجائے بہترین سے ترجمہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۱۴۹) کن فیکون کا ترجمہ

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ''کن فکان'' نہیں آیا ہے، جبکہ آٹھ مقامات پر ''کن فیکون'' کی تعبیر آئی ہے۔ یہ تعبیر ایک بار زمانہ ماضی کے سلسلے میں آئی ہے، ایک بار زمانہ مستقبل کے سلسلے میں اور باقی مقامات پر ہر زمانے پر محیط عام اصول بتانے کے لیے آئی ہے۔

عام طور سے کن فیکون کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے: ''ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے'' مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہ کن فیکون کا مناسب ترجمہ نہیں ہے، بلکہ دراصل کن فکان کا ترجمہ ہے۔ کن فیکون کا ترجمہ ہوگا ''ہوجا تو وہ ہونے لگتی ہے یا ہو رہی ہوتی ہے''۔ ترجمے کے باب میں یہ ان کا خاص تفرد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ راقم السطور کو کسی اور کا ترجمہ اس طرح کا نہیں ملا۔

درحقیقت فکان کے مقابلے میں فیکون میں معنی کی بہت زیادہ وسعت ہے۔ کچھ امر ایسے ہیں جنہیں ایک بار ہوجانا نہیں بلکہ زمانہ دراز تک ہوتے رہنا ہے، جیسے سورج اور چاند کا گردش میں رہنا۔ کچھ امر ایسے ہیں جنہیں ایک متعین وقت کے بعد ہونا ہے، جیسے دعا کی قبولیت کا ایک عرصے کے بعد ظاہر ہونا۔ جب کہ کچھ امر ایسے ہیں جو حکم دیتے ہی وجود میں آجاتے ہیں۔ فیکون میں نفاذ امر کے ایسے تمام احوال کا احاطہ ہوجاتا ہے۔ یہ قرآنی اسلوب کی بلاغت ہے کہ ایسی تعبیر اختیار کی گئی جو تمام ابعاد پر دلالت کرے۔

ذیل میں ایسی آیتوں کے ترجمے پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) بَدِیْعُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَإِذَا قَضَی أَمْراً فَإِنَّمَا یَقُولُ لَہُ کُن فَیَکُونُ۔ (البقرۃ: 117)

''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا

ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے'' (سید مودودی)

''وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ وہیں ہوجاتا ہے'' (محمد جوناگڑھی)

''بس یہ حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' تو وہ ہونے لگتی ہے، یا ہورہی ہوتی ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

(۲) قَالَ كَذَلِكِ اللّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ (آل عمران:47)

''فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کرتا ہے جو چاہے جب، کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے'' (احمد رضا خان)

''جواب ملا ''ایسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے'' (سید مودودی)

''بس کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہونے لگتا ہے، یا ہورہا ہوتا ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

(۳) إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ (النحل:40)

''جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہوجا وہ فوراً ہوجاتی ہے'' (احمد رضا خان)

(رہا اس کا امکان تو) ہمیں کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں ہوتا کہ اسے حکم دیں ''ہوجا'' اور بس وہ ہوجاتی ہے۔ (سید مودودی)

''تو وہ ہونے لگتی ہے، یا ہورہی ہوتی ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

(۴) مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُون۔ (مریم:35)

''اللہ کو لائق نہیں کہ کسی کو اپنا بچہ ٹھہرائے پاکی ہے اس کو جب کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو یونہی کہ اس سے فرماتا ہے ہوجاؤ وہ فوراً ہوجاتا ہے'' (احمد رضا خان)

''اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں، وہ تو بالکل پاک ذات ہے، وہ تو جب کسی کام کے سر انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، وہ اسی وقت ہوجاتا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

''تو وہ ہونے لگتا ہے، یا ہورہا ہوتا ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

(۵) إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُون۔ (یس:82)

''وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے'' (محمد جوناگڑھی)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ (احمد رضا خان)

''وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے'' (سید مودودی)

اس آخر الذکر ترجمہ میں ایک اور خامی ہے، وہ یہ انما أمرہ کا ترجمہ کیا ہے ''اس کا کام بس یہ ہے'' یہ ترجمہ لفظ کے لحاظ سے بھی اور شان خداوندی کے لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے، اس کے بجائے ہونا چاہئے ''اسے بس یہ حکم دینا ہوتا ہے''

''تو وہ ہونے لگتی ہے، یا ہو رہی ہوتی ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

(٦) هُوَ الَّذِىُ يُحْيِىُ وَيُمِيْتُ فَإِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ (غافر:68)

''وہی ہے کہ جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب کوئی حکم فرماتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا جبھی وہ ہو جاتا ہے'' (احمد رضا خان)

''وہی ہے جو جلاتا ہے اور مار ڈالتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے'' (محمد جوناگڑھی)

''تو وہ ہونے لگتا ہے، یا ہو رہا ہوتا ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

(٧) إِنَّ مَثَلَ عِيُسَى عِندَ اللّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثِمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ (آل عمران:59)

''عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے'' (احمد رضا خان)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا!'' (محمد جوناگڑھی)

''عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا

کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے'' (فتح محمد جالندھری)

توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہ ماضی کی روداد ہے، اس کے پیش نظر پہلا ترجمہ اس لیے درست نہیں ہے کہ ماضی میں ہونے کا لحاظ نہیں کیا گیا اور جو ترجمہ ہر جگہ کیا وہی یہاں بھی کر دیا۔ موخر الذکر دونوں ترجمے واضح طور سے فیکون کے بجائے فکان کے ہیں۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی حسب ذیل ترجمہ کرتے ہیں:

''پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہونے لگا، یا ہو رہا تھا''

(۸) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ۔ (الانعام: 73)

''اور وہی ہے جس نے آسمان و زمین ٹھیک بنائے اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی'' (احمد رضا خان)

''وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے اسی دن وہ ہو جائے گا''۔ (سید مودودی)

یہ آیت زمانہ مستقبل سے تعلق رکھتی ہے، اس کا ترجمہ مولانا امانت اللہ اصلاحی حسب ذیل کرتے ہیں:

''اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو وہ ہونے لگے گا، یا ہو رہا ہوگا'' (امانت اللہ اصلاحی)

مفسرین کا عام طور سے خیال یہ ہے کہ ''کن فیکون'' کی تعبیر یہ بتانے کے لئے آئی ہے کہ اللہ جسے ہونے کا حکم دیتا ہے وہ فورا ہو جاتا ہے۔ جب کہ فیکون کا انتخاب یہ بتاتا ہے کہ اس تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی چیز کے ہونے کے لئے اللہ کا حکم دینا کافی ہوتا ہے۔

افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۲)

ظفر احمد الاثری، لندن، ای میل:asarizafar@hotmail.com

سورہ الاسراء

(آیت ۱)[سبحان]وہ ہر نقص سے پاک ہے، کوئی کام بے مقصد نہیں کرتا، اور کوئی وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے، اس سے بھی وہ پاک ہے۔ اور اس سے بھی کہ اس کا کوئی شریک نہیں، ایک طرف ابطال شرک ہے، دوسری طرف وعدہ کا ذکر ہے کہ جو مومنین سے وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا کر کے رہے گا، اور انھیں آزاد علاقے میں پہنچائے گا، اقتدار سے نوازے گا۔ جو لوگ رسول پر ایمان لائے ہیں ان کی کامیابی حتمی ہے۔ یہ (معراج کا سفر) سفر یہ بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کا قبضہ مسجد اقصی تک ہوگا۔ یہود و مشرکین دونوں ناکام ہوں گے۔ خطاب اصلاً یہود سے ہے۔ عموم میں مشرکین بھی شامل ہیں۔ وہاں نشانی اس بات کی ہے کہ جو لوگ میثاق کو توڑتے ہیں ان پر خدا کے عذاب کے کوڑے برستے ہیں اور جو لوگ اسے پورا کرتے ہیں انھیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، یہ ایک خاص معاملہ ہے جو نبی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ فعل سمع و بصر کی بنیاد پر ہوتا ہے، مسلمانوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے عہد کو استوار رکھو گے تو وہ تمہیں نوازے گا۔ اور تمہارے ساتھ رہے گا۔ لیکن ناعہدی کا ثبوت دو گے تو تمہارے ساتھ اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔

[لنریہ] فلسطین ارض مبارک ہے، اس پہلو سے کہ وہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ ہے، دوسری برکت یہ ہے کہ یہیں خیر و برکت کے چشمے بھرے ہوئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام یہاں سے مکہ گئے، اور ان کے بیٹے یہیں رہے ہیں۔

(آیت ۲) کتاب دی، کتاب کا مضمون یہ تھا کہ توحید کو اختیار کرو۔

یہودیوں کو بتلانا ہے کہ تم ہمارے نبی کے مقابلہ میں رسوا ہو جاؤ گے اور تمہیں مغلوب ہونا ہے۔

(آیت ۳) اگر ہمارے شکر گزار رہو گے تو ہماری وکالت تمہارے ساتھ رہے گی۔ اگر اس کے سوا

کسی کو وکیل بنایا تو دوسروں سے پٹوائے گا۔

جولوگ شکرگزار بندے تھے وہ ہماری کشتی پر سوار ہوئے۔

[ذریةً] اعنی -اختصاص کی وجہ سے منصوب۔حضرت نوحؑ سے لے کر توارت کے پانے تک سب شکرگزار تھے،لیکن بعد میں انھوں نے شرک کیا۔

(آیت۴)[قــضــی] لکھ دینا، فیصلہ کر دینا،مسلمانوں کو بتلایا جارہا ہے کہ تمہیں اقتدار ملنے والا ہے،اگرتم فساد برپا کرو گے تو اس کی نگاہ سے دور ہو جاؤ گے۔

(آیت۵)[جــاس] گھس پڑنا۔یہ پہلا حملہ بخت نصر کا تھا[عبــاداً] ایرانی لوگ اور اس کے فرمانروا، یہ لوگ بڑی جنگی طاقت رکھتے تھے۔

(آیت۶) خسرو نے (۱) انھیں آزادی دلائی،سدھر جانے کے بعد انھیں غلبہ حاصل ہوا تھا اور ہر طرح کا اقتدار دیا تھا۔

(آیت۷) اس کے بعد دوسرا حملہ رومیوں نے کیا تھا،اس حملے میں یہودیوں کا پورا زور ٹوٹ گیا تھا۔ان کا معبد توڑ دیا گیا تھا، یہ تباہی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تھی۔(۲)

(آیت۸) یہ آخری مہلت تھی، اگر رسول پر ایمان لائے تو نعمتوں سے نوازے جاؤ گے،ورنہ سرکشی پر اصرار کرو گے تو ہم بھی عذاب دینے میں کوئی باک نہیں رکھیں گے۔

(آیت۹)اس سے (قرآن سے) دنیا وآخرت دونوں جگہ نجات ملے گی۔

(آیت۱۱)[الانسان] الکافر[بالشر] عذاب۔[یدعو الانسان بالشر کدعاء ہ بالخیر]

[کان]اسے کیا مانگنا چاہیے اور کیا مانگ رہا ہے،اسے عذاب کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

(آیت۱۲) یہاں معاد پر استدلال مقصود ہے،کہیں اس سے یہ استدلال مقصود ہوتا ہے کہ قیامت آئے گی۔قدرت ورافت سے ذہن کو قیامت کی طرف منتقل کرنا ہے۔اس سورہ کا مرکزی مضمون توحید اور توکل علی اللہ ہے،اور روئے سخن یہود ہیں۔

(آیت۱۳) مشرکین کے اعمال بد۔اس کے جزا سے بچ نہیں سکتے۔

[منشوراً] آج (قیامت کے دن) بند کی ہوئی کتاب کھول دی جائے گی۔

(آیت۱۴) پڑھو،جنتی ہو یا جہنمی، یہ دن آنا ہے اور لیل ونہار اس پر دال ہیں اور اس کی تفصیل ہم

نے کر دی ہے۔

(آیت۱۵) اس لیے لوگ صحیح راستہ اختیار کریں اور وہ اپنے ہی لیے ایسا کریں گے۔

[لا تذر] شفاعت کا چکر تو کوئی اٹھائے گا ہی نہیں۔ دنیوی اور اخروی عذاب دونوں مل سکتے ہیں۔

(آیت۱۶) دنیوی عذاب کا تذکرہ ہو رہا ہے، کتاب بھیجتا ہے لیکن جب وہ نہیں مانتے ہیں تو وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

(آیت۱۷) اسی قاعدے ضابطے کے تحت قوم کو ہلاک کرتا ہے اور عدل تامہ کے تحت سزا دے گا۔

(آیت۱۸) اب انسان چاہے تو ''عاجلہ'' اختیار کرے، لیکن اسے سمجھایا جا رہا ہے کہ نصب العین دنیا کو نہ بناؤ بلکہ آخرت کو بناؤ تو دونوں ملے گا۔

(آیت۲۰) دنیا میں بخشش اور آخرت میں، مومنین کے لیے ہے۔

یہ بات کھٹکتی ہے کہ مومنین خستہ حال کیوں ہیں، بتلایا جا رہا ہے کہ مال و دولت محبوبیت اور مقبولیت کی دلیل نہیں ہیں۔

(آیت۲۱) اس لیے کہ مشرکین ہی میں کچھ لوگ مالدار نظر آتے ہیں، کچھ لوگ غریبوں میں شمار ہوتے ہیں، کچھ لوگ غلام ہیں، کچھ حاکم ہیں۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ مال و دولت محبوبیت کی علامت کسی صورت میں شمار نہیں ہو سکتے۔

(آیت۲۲) منکرین آخرت سے کہا جا رہا ہے کہ اسے پکارو، ورنہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ توحید کا بیان ہوا۔

(آیت۲۲۔۳۹) توحید کا مثبت پہلو رکھا ہے جو شخص توحید اور معاد کا قائل ہوتا ہے وہ ماں باپ کے حقوق ادا کرتا ہے، اس آیت میں جن منہیات اور معروفات کا ذکر ہوا ہے، وہ سب توحید کے تقاضے ہیں، سب اسی کے لوازم ہیں۔

[لا تعبدوا] اسی کو الہ مانو۔

[ربک] یہ بطور دلیل کے پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی کا حق ہے، تو اسی کی عبادت کرو، اس کے بعد ان میں سب سے بڑھ کر ماں باپ کی خدمت ہے۔ اس کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے سامنے جھکے اس کے بعد والدین ہیں جو ربوبیت کا ذریعہ ہیں۔

[احساناً] اچھا سلوک کرنا ہوگا۔

[اما] وہ ہراعتبار سے اس حالت میں محتاج ہیں۔

[أُفٍ] عرب میں یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا تھا جبکہ وہ کسی کام سے پریشان ہوجاتے تھے تو ''اف'' کہتے تھے۔اکتاہٹ کے ساتھ نہیں،ایک شریف آدمی کی طرح گفتگو کرو۔

(آیت۲۴)[ذل]بچھنا،اس کے سامنے اپنے آپ کو گرادو،وہ ذلت جو رحمت سے پیدا ہوتی ہے۔

[کما] لما

(آیت۲۵)رب کی ربوبیت ہے،تمہارے دلوں میں کیا ہے سب کچھ جانتا ہے،نصرت، ہمدردی یا کچھ اور۔

(آیت۲۶)[لا تبذر]معصیت کی راہ میں خرچ نہ کرو،

(آیت۲۹)مٹھی نہ ہی بند رکھواور نہ بالکل کھول دو،عدم توازن سے روکا۔

[مغلولۃ]بندھا ہوا

[ملوما] پہلی صورت میں

[محسوراً]دوسری شکل میں،عاجزودرماندہ۔

(آیت۳۱۔۳۰)انفاق پر ابھارنے کے لیے یہ ٹکڑا آرہا ہے،جب وہ باسط رزق ہے تو اندیشہ نہیں ہونا چاہیے،کہ ہم خرچ کریں گے تو کیا ہوگا، بچے کیا کریں گے۔

[ویقدر] یضیق ، یرزق لمن یشاء ۔کس کو کتنا دینا چاہیے وہ جانتا ہے۔،مومن کے ایمان کے تقاضے بیان ہورہے ہیں۔مصنوعی طریقے سے افزائش آدم کو روکتا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

عرب میں دوطرح کے لوگ ہوتے تھے ایک تو وہ تھے جن کے پاس دولت ہوتی تھی لیکن یہ سوچتے تھے کہ اگر اولاد ہوگی تو دولت خرچ ہوگی۔

(آیت۳۲)تسکین شہوت کا یہ طریقہ بہت برا ہے۔

[سلطان]زوروقوت

[فلا یسرف] فی القتل

(آیت۳۴) [ھی]اس کی حفاظت کرو۔

(آیت۳۵) [تاویل]انجام۔دینا کے تمدن کا انحصار اسی پر ہے۔ملک کا نظام اسی پر ختم ہوتا ہے۔

(آیت ۳۶) یقین کی بنیاد پر بات کرو۔

[فؤاد] ظلم وعدل میں فرق وامتیاز کرنے والا اوراس کوسہارا دینے والا سمیع وبصیر ہے۔

(آیت ۳۷) (اکڑ کر چلنا) اس کی حقارت بیان ہورہی ہے۔وہ جتنا ہی اونچا جائے گا وہ پا نہیں سکے گا۔بیان کرنا اس لیے ہے کہ یہ دونوں اللہ کی بندگی کررہے ہیں اس لیےتم بھی ایسا کرو۔

(آیت ۳۹) [حکمة] وہ چیز جس کا اچھا ہونا اور برا ہونا اس کی فطرت میں داخل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ سب معروفات ہیں۔

[ولا تجعل] اس کی علۃ العلل توحید ہے۔نہ انفرادی اور نہ اجتماعی طور سے کرسکتا ہے۔

(آیت ۴۰) ابطال شرک،ان کے دو جرم گنائے جارہے ہیں۔خدا کا ذوق تو تمہارے ذوق سے بہتر نہیں ہے۔

(آیت ۴۱) توحید کے مضامین مختلف ڈھنگوں سے بیان کیے ہیں،لیکن یہ لوگ اس کی تشریح سے بھاگتے ہیں۔

[لیذکروا] لیؤمنوا ،توحید سے ان کو بڑی دشمنی ہے۔

(آیت ۴۲) دو الٰہ ہوجائیں گےتو دونوں ایک دوسرے کے اقتدار پر چڑھ دوڑیں گے۔

(آیت ۴۳) ان کے کہنے سے وہ عاجز نہیں ہوجاتا۔

(آیت ۴۴) ہمیں بھی موافقت پیدا کرنی چاہیےلیکن ایسا تم کو کرنا ہی نہیں چاہیے، اور مذاق اڑاتے ہو۔اور کہتے ہو اگر ہم غلط راہ پر ہیں تو عذاب کیوں نہیں لاتے ،اس کا جواب دیا جارہا ہے وہ غفور ورحیم ہے۔اب بھی اس کی مہلت چل رہی ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا نہیں ہوگا،اس سے غلط فائدہ نہ اٹھاؤ۔

(آیت ۴۵) دونوں کے نظریے میں سخت اختلاف ہے اسی لیے حجاب مستور ہوجاتا ہے۔

(آیت ۴۶) [أن یفقھوہ] مانعة أن یفقھوہ ،قرآن کی دعوت کی وجہ سے ان کے دل میں پردہ پڑ گیا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن توحید کی باتیں بتلاتا ہے۔

(آیت ۴۷) جب انھیں دعوت دی جاتی تھی تو غور سے سنتے تھے تاکہ اس میں کیڑے نکال سکیں، اور جو لوگ اس سے قریب ہورہے ہیں ان سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں،ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً.

(آیت ۴۸) پہلے تو بہت ہوشمند اور عقلمند تھا لیکن اب اس طرح کی صفتیں تجویز کرتا ہے۔ اس لیے گمراہ ہو گئے ہیں۔

(آیت (۴۹۔۵۰) آخرت شروع ہوتی ہے، استہزاء ہے۔

(آیت ۵۲) [یوم] ساری ہیکڑی نکل جائے گی۔

(آیت ۵۲) استہزاء والے جملے ہیں، اس سے مومنین مشتعل ہوں گے، اس لیے فوراً ہدایت دی گئی، جواب اشتعال انگیزی سے نہ دو، شیطان تو یہی چاہتا ہے تا کہ اس کا کام بنے، جملہ معترضہ کے طور پر یہ ذکر ہوا ہے، اب ختم ہوا۔

(آیت ۵۴) کنائے سے کہا جا رہا ہے وہ دونوں شکلوں میں علم رکھتا ہے ہمارے رسول کا کام [دلوں میں] ایمان ڈالنا نہیں ہے۔

رحمت وعذاب کا مستحق بننا تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

(آیت ۵۵) اس لیے وہ تو مکے والوں کے بارے میں علم رکھتا ہے۔

(آیت ۵۹) انھیں ہٹا کر دوسرے لوگوں کو لائے گا جو تم سے مختلف ہوں گے۔

(آیت ۵۷) [اولئک الذین (۳)] شرکاء

[یدعون] یعنی مشرکین، یہ لوگ انھیں (فرشتوں کو) شریک کیے ہوئے ہیں حالانکہ وہ شرکاء جنہیں یہ شریک کرتے ہیں وہ اللہ تعالی سے زیادہ سے زیادہ قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے۔ یہ ابطال شرک ہے۔

(آیت ۵۸) [او] ''و'' کے معنی میں ہے۔ یا ''او'' کے معنی تو اس صورت میں قیامت کا عذاب ہوگا۔

[فی الکتاب] قرآن میں، یا لوح محفوظ میں۔

(آیت ۵۹) تمام قوموں کو تکذیب دعوت کی وجہ سے ہلاک کرتا رہا ہے۔ ان ہی سے بات ہو رہی ہے کہ معجزہ نہیں آئے گا۔

[ھلکوا] یہ لوگ معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں اس لیے ہلاک کر دیے جائیں گے، لیکن قوموں نے معجزہ ایمان لانے کے لیے نہیں مانگا ہے۔ وہ جب آ جائے تو قوم فوراً ہلاک کر دی جاتی ہے، اگر اللہ تعالی اس امت میں معجزہ بھیج دے تو لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور اس کے بعد وہ گروہ ہلاک کر دیا جائے گا۔ عذاب اس لیے نہیں آ رہا ہے کہ جن کے اندر ایمان کی رمق باقی ہے، اور جن کا ایمان کا جوہر بعد میں کھلے

گا، وہ ایمان سے سرفراز ہوں گے۔

[**فظلموا**] یہ بطور مثال کے ہے کہ معجزہ آنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائے، اس نبی عربی کے پاس عذاب بھیج سکتے تھے لیکن ہم عذاب نہیں بھیجیں گے۔

[**ومانرسل**] آیات سے مراد، آیات قرآن بھیجیں گے لیکن عذاب نہیں بھیجیں گے، یا آیات سے مراد معجزہ ہوگا۔

(آیت۶۰) [**احاط بالناس**]ان کی سرکشی کا حال یہ ہے کہ ان کو آیتیں دکھلائی جاتی ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ خوف پیدا کرنے کے لیے آتی ہیں۔ جگہ جگہ قرآن میں اس کا ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے، تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، کہاں سے اس نے ہمارا احاطہ کرلیا ہے، اگر ایسی بات ہے تو ہمیں عذاب کیوں نہیں دیا۔ قرآن میں اس کا بھی ذکر ہے کہ جہنم میں ''زقوم'' کا درخت ہوگا، تو یہ کہتے ہیں میاں صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے، بھلا کہیں آگ میں درخت ہوتا ہے، اسی طرح معراج کے بارے میں مذاق اڑایا کہ یہ شخص تو وحی کا دعوی کرتا تھا اب تو گھر بیٹھے بیٹھے عالم بالا کی سیر کرتا ہے، بھلا یہ سب باور کرنے کی چیزیں ہیں، اگر ایسی قوم کے پاس معجزہ آجائے تو وہ کیونکر ہلاک نہ ہوگی۔

(آیت۶۱) کہنا یہ ہے کہ تم شیطان کی عبادت کر رہے ہو۔ تمہارے اندر جو بیماری پیدا ہوئی ہے وہ یہیں سے ہے، تمہارے اندر بھی کبر و سرکشی اسی طرح کی ہے، اس نے سرکشی وطغیانی کی تو اس کا انجام کیا ہوا۔ اگر تم اس کا ساتھ دو گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا۔ اس کا امتحان لیا گیا تو وہ ناکام ہو گیا۔ تم شیطان کی عبادت کر رہے ہو، تمہارے اندر جو اصل بیماری ہے وہ شیطان کی وجہ سے ہے، اسی لیے تم مان کر نہیں دے رہے ہو۔

(آیت۶۲) مردود ہو گیا اور مذموم ہو گیا۔

[**لاحتنکن**] **استأصل**، بڑی اکثریت کو تباہ کردوں گا، اور ان کو سبز باغ دکھلاؤں گا۔

(آیت۶۴ ۔۶۵)[**استفزاز**]خوف ودہشت میں مبتلا کرتا رہوں گا۔ ان کے قدم اکھاڑ پھینکوں گا، عدو مبین ہونے کی تصویر کھینچی جارہی ہے، ابلیس کہتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر انہیں ڈراؤں گا، دھمکاؤں گا، ان کے مال واولاد میں شریک ہو کر راہ خدا سے بھٹکاؤں گا، اس وقت مشرکین کا جو حال ہے اسی طرح کا ہے لیکن میرے نیک بندوں پر تمہاری برتری نہیں چلے گی، اس لیے کہ ان کا تعلق خدا سے

ہے۔

(آیت۶۶) رأفت ورحمت کو سمجھایا جارہا ہے، توحید اس کی فطرت میں داخل ہے۔

(آیت۶۷) [ضل] وہ مدد کے لیے نہیں آئے۔

(آیت۷۰) [کــرمنـا] ارادہ وآزادی دے کر مکرم بنایا، بر و بحر میں سواری کا انتظام فرمایا، یہ کرامت کیوں بخشی تا کہ وہ انسان کو آزمائے کہ اطاعت کرتا ہے یا نہیں، ارادہ واختیار کی آزادی کے تذکرہ کے معاً بعد آخرت کا ذکر ہو رہا ہے۔

(آیت۷۱) ائمہ باطل اپنے باطل کے ساتھ آئیں گے اور ائمہ حق حق کے ساتھ آئیں گے، جب دنیا میں قیادت کررہا تھا تو اس وقت بن سنور کر آتا تھا، پھر دونوں سے باز پرس ہوگی۔

[امام] امام کے دوسرے معنی کتاب کے ہوتے ہیں، یعنی لوح محفوظ۔

(آیت۷۱) یمین اور شمال کا استعارہ دراصل یہاں سے لیا گیا ہے۔ جب دور جاہلیت میں لوگ سفر یا کسی اور کام کے لیے چڑیا اڑاتے تھے تو اچھے اور برے کا معیار چڑیا کے بائیں اور دائیں اڑنے کے رخ سے پتہ لگاتے تھے، اگر چڑیا دائیں طرف اڑ گئی تو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ سفر کامیاب رہے گا، اور اچھا ہوگا۔ اور اگر بائیں طرف اڑ کر چلی گئی تو سفر کرنا مناسب نہیں ہے اور کسی بات کا اندیشہ ہے، یہاں اسی استعارہ کو استعمال کر کے بتلانا ہے کہ اگر نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملا تو سرخرو ہونے کی علامت ہے اگر بائیں ہاتھ میں ملا تو ناکامی کی علامت ہے۔

[فتیل] وہ گٹھلی جس کے اوپر دھاگہ جیسا چھلکا ہوتا ہے۔

(آیت۷۲۔۷۳) حالات سخت ہو گئے ہیں، اہل اقتدار پوری کوشش صرف کررہے ہیں۔ مومنین کو اصل راہ سے روک رہے ہیں دوسری طرف ہر طرح کی بے چینی میں مبتلا کررہے ہیں، خوف ودہشت میں مبتلا کیا جارہا ہے تا کہ مومنین کے قدم ثبات اکھڑ کر رہ جائیں۔ اور اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں، حالات کی سنگینی کو بتلا کر اس کا علاج اور اس کی تدبیر بتلائی جارہی ہے اور جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو نصرت کے ایام قریب آجاتے ہیں۔

(آیت۷۳) ایسا کرنے کے قریب ہیں کہ وہ دین حق سے مومنین کو موڑ دیں۔

(آیت۷۳) [افتراء علی اللہ] جھوٹ گھڑنا۔

[اذاً] ایسا کر لیں تو ساری دشمنی ختم ہو جائے۔ دشمنی کی بنیاد توحید کی دعوت ہے، اس کو ترک کرو

سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا، کون سا نظام اختیار کیا جائے، باطل کے نظام کو یا حق کے نظام کو۔ چنانچہ توحید کے نظام کو اختیار کیا تو اس سے تصادم ہو گیا، اسی بنیاد پر مسلمان ستائے جا رہے ہیں۔

(آیت ۷۴) توحید کا کچھ حصہ نکال دیں تو بات بن جائے لیکن ہم نے دل کو مضبوطی سے باندھ دیا۔

(آیت ۷۵) سارے مومنین سے خطاب ہے، شرک بہت بری چیز ہے، مرنے کے بعد سزا دے گا۔

(آیت ۷۶) [استفزاز] خوف و ہراس میں مبتلا کر کے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔

[لیخرجوا] نکالنے کے لیے مختلف قسم کے استفزاز استعمال کر رہے ہیں۔ اگر فوراً نکال دیا تو فوراً عذاب آ جائے گا۔

(آیت ۷۷) تثبیت کا نسخہ بتلایا جا رہا ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی مزید ہدایت دی جا رہی ہے۔

[لدلوک] اس میں ''لام'' وقت کا لام ہے۔ (۴)

[اِنّ] اس سے یہ بات نکلی کہ آپ ﷺ قرأت لمبی کرتے تھے، اس لیے فرشتے اس وقت اس میں شامل ہوتے ہیں (الثانی) ذہن اس وقت حاضر ہوتا ہے تشهد القلوب.

(آیت ۷۹) سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھو اور یہ نہایت عمدہ عطیہ ہے۔ پانچ نمازیں قانونی ہیں اور یہ مزید نفل کے طور پر ہے۔

[عسی] اگر نکالے جائیں گے تو کہاں جائیں گے، تو کہا جا رہا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بہتر مقام عطا فرمائے گا۔ یہ اشارہ ہے کہ مدینہ ہم تمہیں پہنچا دیں گے، چنانچہ ایسا ہوا کہ مدینہ سے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے اسلام قبول کیا اور واپس لوٹ کر مدینہ چلے گئے، اور وہاں دعوت کا کام کرنا شروع کر دیا، جب مدینہ کے مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ مکہ کے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، تو انھوں نے حضور سے مطالبہ کیا کہ آپؐ ہمارے پاس آ جائیں تو اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

[مدخل صدق] عزت کے ساتھ لے جائے گا، کافر لوگ نہیں پکڑ سکیں گے۔

[اجعل] مکہ میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ کہیں سے مدد حاصل ہو۔ اسی لیے یہ دعا کر رہے ہیں، کہ تمہارے پاس ہر طرح کی نصرت ہے، اس لیے وہیں سے عطا کر۔

(آیت ۸۱) (کافرین اور مومنین سے کہہ دو) باطل دم توڑ دے گا۔

(آیت ۸۲) دلوں کے جو وسوسے پیدا ہو رہے ہیں قرآن اسے دور کرے گا۔ اور ان کے لیے رحمت ہے، کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

(آیت ۸۵)[یسئلو نک] یہود مشترکہ محاذ قائم کر کے سکھا سکھا کر پوچھ رہے ہیں۔

(آیت ۸۳) ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ مومنین اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن کافر اس سے منکر ہیں اس لیے وہ اعراض کر رہے ہیں۔

یہ کافر انسان اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اس لیے دونوں حالتوں میں غیر متوازن ہوتا ہے۔ایسا اس لیے کرتا ہے کہ وہ خدا سے غافل ہے اور بالآخر وہ اس کی ناکامی کا موجب ہوتا ہے۔

آغاز نبوت میں کافروں پر نعمت کی بارش ہوتی ہے، اس کے بعد فوراً تکذیب کی وجہ سے نعمت کم کر دی جاتی ہے لیکن مخالفت شدید سے شدید تر ہوتی جاتی ہے تو نعمت اسی اعتبار سے دوگنی ہوتی چلی جاتی بالآخر قوم اپنی آخری حد میں پکڑ لی جاتی ہے اور اس کے بعد ہلاک کر دی جاتی ہے، ان ہی نعمتوں کی وجہ سے وہ یہ دلیل پیش کر رہے ہیں کہ ہم خدا کے محبوب بندے ہیں۔

(آیت ۸۴)[کل] من الفریقین ،مومنین اپنے طریقے پر مصر ہیں اور مشرکین اپنے طریقے پر مصر ہیں۔

(آیت ۸۵) ایسا وہ زچ کرنے کے لیے کرتے ہیں [علم] وحی [روح] وحی ،تم آخرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔ دنیا کے بارے میں جانتے ہو۔ روح آتی ہے تا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ لیکن تم اس سے انکار کر رہے ہو، روح انسان کے لیے غذا ہے، یہ حیات ہے، یہ انسانی زندگی کو قائم کرتی ہے۔

(آیت ۸۶) محمد اپنی طرف سے گھڑ کر نہیں پیش کر رہا ہے، وہ اپنے دعوی میں صحیح ہے، خطاب نبی سے ہے، یہ دین برحق ہے، افتراء علی اللہ نہیں ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں، اگر وہ گڑ بڑی کرتا تو اس سے یہ چیز چھین لیں گے۔ اس کا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے بھیجا ہے۔

(آیت ۸۷)[الا رحمة من ربک]رحمت رحمة من ربک ،نبوت کے منصب پر رکھا ہے اور وقت کی ساری آبادیوں میں آپ کا انتخاب کیا ہے۔ اس سے بڑا افضل اور کیا ہوسکتا ہے۔ معترضین کا کہنا ہے۔[و]حالیہ ہے۔

(آیت ۸۸) الانس والجن مومنین میں شامل ہیں۔

(آیت ۸۹) ساری تذکیر ہو چکی لیکن انکار پر مصر ہیں۔

(آیت ۹۳) سب کے اعتراض کا جواب دیا۔ سبحان اللہ تعجب کا صیغہ ہے۔ بشر ہی میں سے رسول

کا انتخاب ہوتا ہے۔

(آیت ۹۶) اللہ جانتا ہے میں اللہ کا رسول ہوں۔ اسی اعتبار سے کامیاب اور ناکام کرے گا، وہ سب کچھ لکھ رہا ہے کہ آخرت میں کیا انجام ہوگا، اس لیے رسول کی دعوت پر کان دھرو۔

[ذالک] ضمیر مبہم ہے۔ اوپر کے نظریہ کی بنیاد پر جھٹلاتے ہیں۔

(آیت ۱۰۰) نبوت اور رسالت ان کے قبضے میں ہوتے تو وہ بخالت سے کام لیتے اور مستحق کے بجائے غیر مستحق کو دیتے۔ اس لیے نبوت اور رسالت کو اپنے قبضے میں رکھا ہے، وہ نہایت فیاض ہے جس کا انتخاب کرنا چاہتا ہے اس کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر تمہیں ملتا تو تم اپنے ہی لوگوں میں تقسیم کر لیتے۔

(آیت ۱۰۱) یہود سے کہا جا رہا ہے، تم بخیل ہو۔ [رحمة] نبوت۔

[فسئل] وہ ناکام ہوئے یا نہیں، آج تم مخالفت کر رہے ہو۔ اگر یہ رسول سچ نکلا تو تمہارا کیا انجام ہوگا۔

[اذ] برائے تفسیر ہے۔ ان کا حشر ویسا ہی ہوگا۔

(آیت ۱۰۲) [بصائر] دلائل [اثر] ھلاک۔

(آیت ۱۰۳) اسی نتیجے میں ہجرت ہوئی [واسکنوا الارض] فلسطین۔

(آیت ۱۰۴) [لفیفاً] جماعت۔

(آیت ۱۰۵) یہود نے جو خرافات شامل کر دیے ہیں وہ سب نہیں ہیں۔ اترنے کے دوران کسی نے بھی خرابی نہیں پیدا کی، تمہاری کتاب گھپلے میں ڈالنے والی ہے اس لیے تم اِسے مانو۔ ان کی مخالفت سے دل برداشتہ نہ ہوں ہم ان سے نمٹ لیں گے۔

(آیت ۱۰۶) [نزلنا] نجماً نجماً، وہ اعتراض کر رہے ہیں کہ تورات تو دفعتاً اتاری گئی لیکن قرآن ایسا نہیں ہے۔ حالانکہ تورات بھی دفعتاً نہیں اتاری گئی تو کہا جا رہا ہے کہ نجماً نجماً اس لیے اتارا جا رہا ہے تا کہ حضور ٹھہر ٹھہر کر پیش کریں اور اس لیے اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہے۔

(آیت ۱۰۷) یہ دھمکی ہے، یہود حضرات کو۔

[یخرون للاذقان] وہ شکر کے جذبے میں سرشار ہو کر خدا کے سامنے جھک پڑتے ہیں کہ ہم نے رسول کا زمانہ پایا۔

(آیت ۱۰۸) وہ اس سے پاک ہے کہ وعدہ سے مکر جائے اور وعدہ نہ پورا کرے۔ وہ پورا ہونا تھا لیکن یہ ہماری سعادت ہے جسے ہم نے پالیا۔

(آیت۱۰۹) خوشی کا رونا ہے۔

(آیت۱۱۰) ان لفظوں میں کوئی نہیں ہے، ایک گروہ اللہ کو پکارتا ہے دوسرا گروہ رحمٰن کے نام سے ناواقف ہے۔

حواشی و تعلیقات:

(۱) مزید تفصیل کے لیے تفہیم القرآن جلد دوم، حاشیہ ۱۸ از سید ابوالاعلیٰؒ مودودیؒ کا مطالعہ کریں۔

(۲) مزید تفصیل کے لیے تفہیم القرآن جلد دوم، حاشیہ ۹ کا مطالعہ کریں۔

(۳)(۴) **اولئک** اسم اشارہ اور مبتدا ہے جس کا اشارہ معبودین کی طرف ہے اور **یبتغون** خبر ہے۔ اور **یدعون** کا فاعل مشرکین ہیں۔

آیت کی تفہیم اس طرح ہے: **اولئک الذین یدعوهم المشرکون من الانبیاء والصالحین و الصالحین و الملائکة مع الله، یتنافسون فی القرب من ربهم بما یقدرون علیه من الاعمال الصالحة و یأملون رحمته و یخافون عذابه، ان عذاب ربک هو ما ینبغی أن یحذره العباد و یخافوه.** (ماخوذ التفسیر المیسر) ''جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں''۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن جلد۲ ''جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کے قرب کی طلب میں سرگرم ہیں''۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ، تدبر قرآن جلد۴۔

(۴) لفظ ''دلوک'' کی مزید تحقیق سیرۃ النبی جلد پنجم میں موجود ہے اور اس سے تین وقت کی نمازوں کا ثبوت ملتا ہے اور مزید دو وقت کی نمازیں اسی آیت **الی غسق اللیل و قرآن الفجر** میں ملاحظہ فرمائیں:

''محدثین اور مورخین کا اتفاق عام ہے کہ نماز کے اوقات پنجگانہ کی تعیین معراج میں ہوئی ہے جو ہماری تحقیق کے مطابق بعثت کے بارہویں سال اور ہجرت سے ایک سال پہلے واقع ہوئی تھی، گو اوقات پنجگانہ کا ذکر سورہ ق اور روم میں موجود ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں لیکن اقامت صلوۃ کے امر کے ساتھ سب سے پہلے اسی سورہ اسراء (معراج) میں نماز پنجگانہ کا حکم ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز پنجگانہ کی تکمیل بصورت صلوۃ اسی معراج میں ہوئی جس طرح وضو پر عمل گو پہلے سے تھا مگر اس کا حکم قرآن میں مدنی سورتوں کے اندر نازل ہوا ہے۔ سورہ اسراء (معراج) کی وہ آیت جس میں نماز پنجگانہ کا ذکر ہے حسب ذیل ہے:

اقم الصلوة لدلوک الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهوداً (آفتاب کے جھکاؤ کے وقت رات کی تاریکی تک نماز کھڑی کر اور فجر کی قرأت قائم کر، بیشک فجر کی قرأت میں حضور ہوتا ہے۔) (آیت ۷۸)

یہ آیت کریمہ اوقات پنجگانہ کی تعیین اور اس کے سبب کو پوری طرح بیان کرتی ہے، اس میں سب سے اہم اور تشریح کے قابل لفظ" **دلوک**" ہے۔ **دلوک** کے اصل معنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں لیکن تحقیق طلب یہ ہے " **دلوک الشمش**"، یعنی آفتاب جھکنے سے کیا مراد ہے؟ اور اہل عرب اس کو کن معنوں میں بولتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ عربی میں اس لفظ کا اطلاق تین اوقات یا آفتاب کی تین حالتوں پر ہوتا ہے۔ زوال پر، مقابل نقطۂ نگاہ سے آفتاب کے ہٹ جانے پر ہے اور غروب پر، اور جب آیت مذکورہ میں یہ کہا گیا کہ آفتاب کے دلوک (جھکاؤ) پر نماز پڑھو، تو ان تینوں دلوکات یعنی آفتاب کے تینوں جھکاؤ پر ایک ایک نماز لازم آئی، غرض یہ کہ اوج کمال پر پہنچنے کے بعد جب آفتاب ڈھلنا شروع ہوتا ہے، اس کے تین دلوک یا جھکاؤ ہوتے ہیں۔ ایک نقطۂ سمت الراس سے، دوسرا نقطۂ تقابل سے، اور تیسرا دائرۃ افق سے۔ پہلا ظہر کا وقت ہے، دوسرا عصر کا، اور تیسرا مغرب کا، اور اس کے ہر دلوک یعنی انحطاط پر اس کی خدائی کی نفی وتردید اور خدئے برحق کی الوہیت کے اقرار واعلان کے لیے ایک ایک نماز رکھی گئی ہے۔ اس طرح "دلوک" کے لفظ کے اندر تین نمازوں کے وقت بتائے گئے ہیں۔ چوتھی نماز کا وقت "**غسق اللیل**" (رات کی تاریکی) ہے، یہ عشاء کی نماز ہے اور اس کو حقیقت میں نصف شب کو ادا ہونا چاہیے، جب آفتاب کا چہرۂ نورانی توبرتو حجابات ظلمت میں چھپ جاتا ہے، لیکن لوگوں کی تکلیف کے خیال سے وہ سونے سے پہلے رکھی گئی ہے، تاکہ خواب کی غفلت کی تلافی اس سے ہوجائے۔ اور پانچویں نماز کا وقت "**قرآن الفجر**" (صبح کا پڑھنا) بتایا گیا ہے، یہ آفتاب کے طلوع سے پہلے اس لیے ادا کی جاتی ہے کہ عنقریب وہ ظاہر ہوکر اپنے پرستاروں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ اس لیے ضرور ہے کہ دنیا اس کے طلوع سے پہلے ہی خالق اکبر کا نام لے اور اس باطل پرستی سے جس میں آفتاب پرست عنقریب مبتلا ہونے والے ہیں تبری ظاہر کرے، غرض اس آیت پاک سے اقامت صلوۃ کے اوقات پنجگانہ کا ثبوت ملتا ہے"۔ (اور اس کے بعد مصنفؒ نے لفظ "دلوک" کے ان تینوں جھکاؤ کو کلام عرب سے ثابت کیا ہے ملاحظہ ہو سیرت النبی جلد پنجم ۷۴۔۷۶ مولانا سید سلیمان ندویؒ)

قرآن کریم میں صحابیات کے اوصاف

...... مولانا مودودی کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کا مطالعہ ......

ڈاکٹر احسان اللہ فہد،

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ دینیات (سنی)، ویمنس کالج اے ایم یو علی گڑھ

ای میل: e.fahad1970@redifmail.com

گلستان نبوت کی مہکتی کلیاں، آفتاب رسالت کی ضوفشاں کرنیں، دبستان رسول عربی کی فیض یافتہ تلمیذات رشیدات، سرور عالمﷺ کی صحابیات، طیبات، طاہرات، سیدات کا مستند دلآویز اور دلنشیں تذکرہ قرآن کریم میں اسی طرح موجود ہے جس طرح رسول عربیﷺ کے جاں نثار، فدا کار صحابہ کرام کا تذکرہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ صحابہ وصحابیات کا مشترکہ گروہ ہی وہ نفوس قدسی کہلانے کا مستحق ہے جنہوں نے خیر البشر کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں، صاحب خلق عظیم پر صدق دل سے ایمان لائے۔ آپﷺ سے براہ راست اخذ واستفادہ کا شرف حاصل کیا اور آپ کے اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ یہ آسمان ہدایت کے وہ روشن ستارے تھے جن کے صدق واخلاص، دیانت وامانت، خیر وایثار اور زہد واتقاء کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ انہی کی مسلسل کوششوں اور جدوجہد کے نتیجے میں فوز وفلاح کے چراغ آج تک روشن ہیں۔ تہذیب وتمدن کی زلفوں کو انہوں نے سنوارا۔ سیاست ومعیشت کے چہرے کو انہوں نے نکھارا۔ جہالت کے اندھیروں اور کفر وشرک کی ظلمتوں میں انہوں نے ہدایت کی شمعیں روشن کیں۔ اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے جان ومال اور اولاد، جس شے کی ضرورت پڑی، حاضر کردی، اللہ تعالیٰ کے ان پاکباز اور برگزیدہ بندوں کا جذبہ ایثار وفدویت بارگاہ خداوندی میں اتنا پسند آیا کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کے اوصاف بیان کیے گئے۔ ان کی تعریف وتحسین کی گئی اور نہایت واضح انداز میں ان کو جنت کی بشارت دی گئی۔ قرآن حکیم صحابہ کرام اور صحابیات

عظام کے اوصاف، ان کے مقام ومرتبہ اوران کی عظمت کواس طرح بیان کرتا ہے:

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ(۱)

(ترجمہ) محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔تم جب دیکھو گے انہیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام اور صحابیات کے تین نمایاں اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔کفار پر سخت، آپس میں رحیم، اتنے عبادت گزار کہ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔کفار پر سخت ہونے کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ کفار کا منہ دیکھنا، ان کا سامنا کرنا، ان سے گفتگو کرنا، ان سے معاملات کرنا وہ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ تلخی اور ترش روئی کا رویہ اختیار کرتے ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ کفار کے سامنے نرم چارہ ثابت نہیں ہوتے بلکہ اپنے موقف پر سختی سے ڈٹ جانے والے ہوتے ہیں۔اشداء علی الکفار کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ:

''اصل الفاظ ہیں اشداء علی الکفار۔عربی زبان میں کہتے ہیں فلان شدید علیهم فلاں شخص اس پر شدید ہے اس کو رام کرنا اور اپنے مطلب پر لانا اس کے لیے مشکل ہے۔ کفار پر اصحاب محمدﷺ کے سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ درشتی اور تندخوئی سے پیش آتے ہیں۔بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ دیں۔وہ نرم چارہ نہیں ہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔انہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جاسکتا۔انھیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جاسکتا۔کافروں میں یہ طاقت نہیں ہے کہ انہیں اس مقصد عظیم سے ہٹا دیں جس کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر محمدﷺ کا ساتھ دینے کے لیے اٹھے ہیں۔(۲)

آپس میں رحیم ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ 'انما المومنون اخوۃ' کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے وہ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں۔ رحیم وشفیق ہیں، ہمدرد وغمگسار ہیں۔ اصول اور مقصد کے اتحاد نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت اور ہم رنگی وسازگاری پیدا کردی ہے وہ اپنے اوپر ایک دوسرے کا خون حرام سمجھتے ہیں۔ قطع رحمی، ظلم وعداوت، انتقام، بدعہدی، بدگمانی، تہمت طرازی، تمسخر اور فتنہ وفساد سے مکمل اجتناب کرتے ہیں اور اپنے سگے بھائی سے زیادہ اپنے دینی بھائی کی عزت اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے اندر خدا ترسی، منکسر المزاجی اور تواضع کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جیسا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''اس سے مراد پیشانی کا وہ گٹہ نہیں ہے جو سجدے کرنے کی وجہ سے بعض نمازیوں کے چہرے پر پڑ جاتا ہے بلکہ اس سے مراد خداترسی، کریم النفسی، شرافت اور حسن اخلاق کے وہ آثار ہیں جو خدا کے آگے جھکنے کی وجہ سے فطرتاً آدمی کے چہرے پر نمایاں ہوجاتے ہیں۔ انسان کا چہرہ ایک کھلی کتاب ہوتا ہے جس کے صفحات پر آدمی کے نفس کی کیفیات بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ ایک متکبر انسان کا چہرہ ایک متواضع اور منکسر المزاج آدمی کے چہرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک بداخلاق آدمی کا چہرہ ایک نیک نفس اور خوش خلق آدمی کے چہرے سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ ایک لفنگے اور بدکار آدمی کی صورت اور ایک شریف اور پاک باز آدمی کی صورت میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ محمد ﷺ کے یہ ساتھی تو ایسے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی ایک آدمی بیک نظر یہ معلوم کرسکتا ہے کہ یہ خیر الخلائق ہیں۔ کیونکہ خداپرستی کا نور ان کے چہروں پر چمک رہا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کی فوجیں شام کی سرزمین میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے یہ تو اسی شان کے لوگ نظر آتے ہیں''۔ (۳)

رسول اکرم ﷺ کے اوپر ایمان لانے والے صحابہ وصحابیات کے اوصاف کا تذکرہ دوسرے مقام پر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ

إِيْمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ٥الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ٥أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْم (۴)

(ترجمہ) سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں۔قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔

قرآن پاک کے اولین مخاطب صحابہ کرام اور صحابیات تھے۔ان آیات میں جہاں ان کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے وہیں پر عام مسلمانوں کے لیے ایک اصول بھی پیش کر دیا گیا ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں موجود تمام مسلمان یکساں اور برابر ہیں۔ان کا ایمان کم اور زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔اسی طرح تمام اہل کفر کے ساتھ ایک سا معاملہ کیا جائے گا۔چاہے ان کا کفر کچھ بڑھا ہوا ہو یا کچھ کم ہو،مگر ان آیات کا مصداق سیدھے طور سے صحابہ کرام اور صحابیات کے گروہ کو قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر سن کر لرز اٹھتے ہیں۔ان کے سامنے جب قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان اپنے شباب پر ہوتا ہے اور جو اللہ پر مکمل توکل کرتے ہیں اور نمازوں کا قیام کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ فضل میں سے اللہ کے راستے میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسے صحابہ کرام اور صحابیات کو حقیقی مومن قرار دیا ہے اور ان کے لیے اپنی نعمتوں کو لازم کر دیا ہے اور اگر ان سے کبھی کوئی سہو ہو گیا تو اس کو درگزر کرنے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔یہ آیات قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں کہ ان اوصاف حمیدہ کو اپنا کر ہم بھی صحابہ کرام اور صحابیات کی طرح اپنے ایمان کو بڑھانے والے، اپنے رب پر توکل کرنے والے،نمازوں کا قیام کرنے والے اور اپنے مالوں میں سے اس کی راہ میں خرچ کرنے والے بن سکتے ہیں اور اللہ کے دربار میں بڑے درجے کے مستحق اور بہترین رزق کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ:

''یعنی ہر ایسے موقع پر جبکہ کوئی حکم الٰہی آدمی کے سامنے آئے اور وہ اس کی تصدیق کر کے سر اطاعت جھکا دے۔آدمی کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر اس موقع پر جبکہ کوئی چیز

آدمی کی مرضی کے خلاف، اس کی رائے اور تصورات ونظریات کے خلاف اس کی مانوس عادتوں کے خلاف، اس کے مفاد اور اس کی لذت و آسائش کے خلاف اس کی محبتوں اور دوستیوں کے خلاف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت ملے اور آدمی اس کو مان کر فرمان خدا اور رسول کو بدلنے کے بجائے اپنے آپ کو بدل ڈالے اور اس کی قبولیت میں تکلیف انگیز کر لے تو اس سے آدمی کے ایمان کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ایسا کرنے میں آدمی دریغ کرے تو اس کے ایمان کی جان نکلنی شروع ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کوئی ساکن و جامد چیز نہیں ہے اور تصدیق وعدم تصدیق کا بس ایک ہی ایک مرتبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی نے نہ مانا تو بس ایک ہی نہ ماننا رہا اور اگر اس نے مان لیا تو وہ بھی بس ایک ہی مان لینا ہوا۔ نہیں بلکہ تصدیق اور انکار دونوں میں انحطاط اور نشو ونما کی صلاحیت ہے۔ ہر انکار کی کیفیت گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے اور اس طرح ہر اقرار و تصدیق میں ارتقا بھی ہو سکتا ہے اور تنزل بھی۔ البتہ فقہی احکام کے اعتبار سے نظام تمدن میں حقوق اور حیثیات کا تعین جب کیا جائے گا تو تصدیق اور عدم تصدیق دونوں کے بس ایک ہی مرتبے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسلامی سوسائٹی میں تمام ماننے والوں کے آئینی حقوق و واجبات یکساں ہوں گے خواہ ان کے درمیان ماننے کے مراتب میں کتنا ہی تفاوت ہو اور سب نہ ماننے والے ایک ہی مرتبے میں ذمی یا حربی یا معاہد و مسالم قرار دیے جائیں گے خواہ ان میں کفر کے اعتبار سے کتنا ہی فرق ہو'۔ (۵)

سورۃ توبہ میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توصیف کھلے الفاظ میں اس طرح کی گئی ہے:

وَالْـمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْـمُنـكَرِ وَيُـقِيـمُـونَ الـصَّـلوٰةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكوٰةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ(٦)

(ترجمہ) مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے''۔

اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام اور صحابیات کو ایک الگ امت کی حیثیت سے متعارف کروایا گیا ہے جو نیکیوں کا حکم دینے والا، برائیوں کا قلعہ قمع کرنے والا، نماز قائم کرنے والا، زکوٰۃ دینے والا اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ ان کے برخلاف منافقین کا گروہ ہے جن کا طرز عمل بالکل مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں سے ایسی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''جس طرح منافقین ایک الگ امت ہیں اسی طرح اہل ایمان بھی ایک الگ امت ہیں۔ اگر چہ ایمان کا ظاہری اقرار اور اسلام کی پیروی کا خارجی اظہار دونوں گروہوں میں مشترک ہے لیکن دونوں کے مزاج، اخلاق، اطوار، عادات اور طرز فکر و عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاں زبان پر ایمان کا دعویٰ ہے مگر دل سچے ایمان سے خالی ہیں وہاں زندگی کا سارا رنگ ڈھنگ ایسا ہے جو اپنی ایک ایک ادا سے دعوائے ایمان کی تکذیب کر رہا ہے۔ اوپر کے لیبل پر تو لکھا ہے کہ یہ مشک ہے مگر لیبل کے نیچے جو کچھ ہے وہ اپنے پورے وجود سے ثابت کر رہا ہے کہ یہ گوبر کے سوا کچھ نہیں۔ بخلاف اس کے جہاں ایمان اپنی اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے وہاں مشک اپنی صورت سے، اپنی خوشبو سے، اپنی خاصیتوں سے ہر آزمائش اور ہر معاملہ میں اپنا مشک ہونا کھولے دے رہا ہے۔ اسلام و ایمان کے عربی نام نے بظاہر دونوں گروہوں کو ایک امت بنا رکھا ہے مگر فی الواقع منافق مسلمانوں کا اخلاقی مزاج اور رنگ طبیعت کچھ اور ہے اور صادق الایمان مسلمانوں کا کچھ اور۔ اسی وجہ سے منافقانہ خصائل رکھنے والے مرد و زن ایک الگ جتھا بن گئے ہیں جن کو خدا سے غفلت، برائی سے دلچسپی، نیکی سے بعد اور خیر سے عدم تعاون کی مشترک خصوصیات نے ایک دوسرے سے وابستہ اور اہل ایمان سے عملاً بے تعلق کر دیا ہے اور دوسری جانب سچے مومن مرد و زن ایک دوسرا گروہ بن گئے ہیں جس کے سارے افراد میں یہ خصوصیت مشترک ہے کہ نیکی سے وہ دلچسپی رکھتے ہیں، بدی سے نفرت کرتے ہیں، خدا کی یاد ان کے لیے غذا کی طرح زندگی کی ناگزیر ضروریات میں شامل ہے۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے ان کے دل اور ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت ان کی زندگی کا وطیرہ ہے اس مشترک اخلاقی مزاج اور طرز زندگی نے انہیں آپس میں ایک دوسرے

سے جوڑا اور منافقین کے گروہ سے توڑ دیا ہے'' ۔(۷)

سورہ توبہ ہی میں ایک اور جگہ مہاجرین و انصار صحابہ و صحابیات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور رضامندی کی سند اس طرح دی ہے:

وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَرُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ(۸)

(ترجمہ) وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

اسی سے ملتا جلتا مضمون سورہ انفال میں بھی بیان ہوا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ٥وَالَّذِينَ آمَنُواْ مِن بَعْدُ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ مَعَكُمْ فَأُوْلَـئِكَ مِنكُمْ وَأُوْلُواْ الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللّهِ إِنَّ اللّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ(۹)

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہی سچے مومن ہیں ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیات کے مصداق جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری جماعت ہے اسی طرح صحابیات کا پورا گروہ بھی ان آیات کا مصداق ہے کیونکہ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، اپنے گھر بار کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑا اور صحابہ کرام کے ساتھ ہجرت کی۔ اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ مہاجرین صحابہ و صحابیات کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ جتنا کردار

مدنی زندگی کے سماجی و معاشرتی تانے بانے کو بننے اور بہترین معاشرہ تشکیل دینے میں صحابیات کا ہے اتنا صحابہ کرام کا نظر نہیں آتا ہے کیونکہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کو اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار کرنا اور گھریلو زندگی کا سارا نظم و نسق صحابیات کے ہی ہاتھوں انجام پاتا نظر آتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات مبارکہ میں ان مہاجرین و انصار کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اور السابقون الاولون کے عظیم الشان لقب کے مستحق ٹھہرے۔ السابقون الاولون یعنی قدیم الاسلام صحابہ کرام کو یہ مقام و مرتبہ عطا ہوا کہ نہ صرف خود ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا بلکہ ان کے نقش قدم پر چل کر سعادت اندوز اسلام ہونے والے صحابہ کو بھی جنت کی بشارت دی گئی۔ مہاجرین سابقین اولین میں وہ صحابہ کرام اور صحابیات شامل ہیں جو بعثت نبوی کے ابتدائی سالوں میں سخت نامساعد حالات میں مشرف بہ ایمان ہوئے اور راہ حق میں زہرہ گداز مصائب و آلام برداشت کیے، یہاں تک کہ اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا۔ ان کی یہی قربانیاں تھیں جنہوں نے بارگاہ رب العزت میں درجہ قبولیت پایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچے مومن اور جنتی قرار پائے۔ راہ حق میں ان کی عدیم المثال قربانیوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ یہ فہرست لمبی جبھی ہوسکی جب صحابہ کرام کے دوش بدوش صحابیات کا مکمل تعاون اور ان کی قربانیاں اس میں شامل ہوئیں۔ کفار مکہ نے جہاں کمزور، مجبور، غلام مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے وہیں صحابیات بھی ان کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ حضرت یاسر بن عامرؓ ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ بنت خیاط نے اپنے بچوں کے ساتھ قبول حق کی سعادت حاصل کی تو ابوجہل نے انہیں ایسی ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ ان کا حال پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ انہیں پانی میں غوطے دیتا، گرم ریت اور دہکتے انگاروں پر لٹاتا، مکہ کی چلچلاتی دھوپ میں پہروں کھڑا رکھتا، کوڑوں سے پیٹتا، غرض اس نے شقاوت کی انتہا کردی۔ ایک دن ظالم و بدبخت ابوجہل نے حضرت سمیہ کے پوشیدہ نازک مقام پر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ جاں بحق ہوگئیں اور اسلام کی راہ میں سب سے پہلے شہادت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ اسی طرح سے حضرت زنیرہؓ، حضرت لبینہؓ، حضرت نہدیہؓ، حضرت ام عبسؓ، حضرت حمامہ اور ان جیسی بہت ساری صحابیات نے جب قبول حق کا شرف حاصل کیا تو ان کے مالکان نے نیز کفار مکہ کے سرداروں نے ان کے اوپر لرزہ خیز مظالم کا سلسلہ شروع کردیا اور ان کو تعذیب و تعدی کا نشانہ بنایا لیکن یہ تمام صحابیات اپنے دین پر نہ صرف سختی کے ساتھ ڈٹی رہیں بلکہ قریش مکہ کے مظالم کو ہنستے مسکراتے برداشت کیا اور صبر جمیل کا پیکر بن گئیں۔

قرآن کریم نے مہاجرین کے ساتھ ساتھ انصار صحابہ وصحابیات کے رتبہ بلند کا بھی واضح طور پر ذکر کیا ہے اور اپنی رضا مندی اور آخرت کے اجر وثواب کا انہیں بھی برابر کا شریک ٹھہرایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مکہ میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے صحابہ وصحابیات کو ہجرت الی المدینہ کا اذن دیا تو قریب قریب تمام صحابہ وصحابیات ارض مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ پہنچ گئے۔ انصار نے انہیں اہلاً وسہلاً مرحبا کہا اور نہایت خوش دلی سے ان کی میزبانی کی۔ اس میزبانی میں جہاں انصار صحابہ کرام شامل تھے وہیں انصار صحابیات کا رول نہایت ممتاز اور نمایاں نظر آتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخاۃ کروایا تو انہوں نے اپنے مواخاتی بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر سلوک کیا۔ وہ انہیں اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال ومتاع اور جائداد غرض گھر کی ایک ایک چیز شمار کر کے آدھی آدھی ان کو دے دی۔ یہ جبھی ممکن ہو سکا جب انصار خواتین نے اپنے شوہروں کے ساتھ مکمل تعاون کیا اور کہیں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے اس مواخاتی فیصلے کے نفاذ میں روڑا اٹکانے کی کوشش نہیں کی۔

یکم ذی قعدہ ٦ ہجری کو سرور عالم ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کرام اور صحابیات عظام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ کا قافلہ خیمہ زن ہو گیا اور حضرت عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر اہل مکہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ ہمارا ارادہ صرف عمرہ کرنے کا ہے ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔ قریش نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنے پاس روک لیا اور یہ خبر مشہور کروا دی کہ حضرت عثمان کو اہل مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس بات کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔ صحابہ کرام اگرچہ بے سرو سامان تھے لیکن سب نے آپ کے ارشاد پر لبیک کہا، حضور اکرم ﷺ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک جان میں جان ہے کفار سے لڑیں گے اور قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔ تمام صحابہ کرام نے نہایت ذوق وشوق سے جاں نثاری کی بیعت کی۔ یہ بیعت ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت میں جہاں صحابہ کرام نے جاں نثاری اور فدا کاری کا ثبوت پیش کیا وہیں صحابیات نے بھی صحابہ کرام کی طرح آگے بڑھ کر اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی اور مکمل جاں نثاری اور فدا کاری کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صحابہ وصحابیات کے ذوق وشوق اور اللہ کے رسول کے حکم کی فرمانبرداری اور اسلام کی راہ میں اپنی جان ومال کی بازی لگا دینے کے عوض ان سے اپنی رضا کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْبا(۱۰)

(ترجمہ) اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ:

''یہاں پھر اس بیعت کا ذکر ہے جو حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام سے لی گئی تھی۔اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خوش خبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہوگیا جنہوں نے اس خطرناک موقع پر جان کی بازی لگا دینے میں ذرہ برابر تأمل نہ کیا اور رسول کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کر کے اپنے صادق الایمان ہونے کا صریح ثبوت پیش کر دیا۔ وقت وہ تھا کہ مسلمان صرف ایک تلوار لیے ہوئے آئے تھے۔صرف چودہ سو کی تعداد میں تھے جنگی لباس میں بھی نہ تھے بلکہ احرام کی چادریں باندھے ہوئے تھے۔اپنے جنگی مستقر (مدینہ) سے ڈھائی سو میل دور تھے اور دشمن کا گڑھ جہاں سے وہ ہر قسم کی مدد لاسکتا تھا صرف ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع تھا اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے لیے ان لوگوں کے اندر کچھ بھی کمی ہوتی تو وہ اس انتہائی خطرناک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ جاتے اور اسلام کی بازی ہمیشہ کے لیے ہر جاتی۔ان کے اپنے اخلاص کے سوا کوئی خارجی دباؤ ایسا نہ تھا جس کی بنا پر وہ اس بیعت کے لیے مجبور ہوتے ان کا اس وقت خدا کے دین کے لیے مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ اپنے ایمان میں صادق و مخلص اور خدا اور رسول ﷺ کی وفاداری میں درجہ کمال پر فائز تھے۔اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سند خوشخبری عطا فرمائی۔اور اللہ کی سند خوشنودی عطا ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص ان سے ناراض ہو یا ان پر زبان طعن دراز کرے تو ان کا معارضہ ان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے''۔(۱۱)

سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے قرض حسن کا مطالبہ کیا ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:

مَن ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيْمٌ (۱۲)

(ترجمہ) کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے کہ:

''یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ آدمی اگر اس کے بخشے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے بشرطیکہ وہ قرض حسن ہو یعنی خالص نیت کے ساتھ کسی ذاتی غرض کے بغیر دیا جائے، کسی قسم کی ریا کاری اور شہرت و ناموری کی طلب اس میں شامل نہ ہو، اسے دے کر کسی پر احسان نہ جتایا جائے۔ اس کا دینے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے دے اور اس کے سوا کسی کے اجر اور کسی کی خوشنودی پر نگاہ نہ رکھے۔ اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس دے گا، دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا فرمائے گا۔

حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں نے اس کو سنا تو حضرت ابوالدحداح انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے حضور نے جواب دیا ہاں، اے ابوالدحداح۔ انھوں نے کہا کہ ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھائیے۔ آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دے دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس باغ میں چھ سو درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے یہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا، دحداح کی ماں نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولیں تم نے نفع کا سودا کیا دحداح کے باپ، اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل گئیں۔ (ابن ابی حاتم)''(۱۳)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخلص اہل ایمان کا طرز عمل اس وقت کیا تھا۔ اس پورے واقعے میں جہاں حضرت ابوالدحداح انصاری کا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا جذبہ نمایاں انداز سے نظر آتا ہے وہیں ان کی بیوی کا کردار بھی مرکزی اہمیت کا حامل ہے، کہ انہوں نے حضرت ابوالدحداحؓ کے فیصلے کی نہ صرف تائید کی بلکہ بچوں کے ساتھ فوراً مکان اور باغ کو خالی کر دیا اور قرض حسن کے قرآنی اعلان

میں برابر کی شریک ہوگئیں۔

ایک دن حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کی جماعت کے درمیان رونق افروز تھے۔ایک شخص پریشانی کے عالم میں خدمت اقدس میں حاضر ہوااور درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں مسافر ہوں اور مدینہ میں میرے قیام و طعام کا کوئی انتظام نہیں ہے۔آپ کی مدد کا محتاج ہوں۔حضور اکرم ﷺ نے ازواج مطہرات سے پچھوایا کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے یا نہیں، جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔اب حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو مہمان بنائے۔ حضور اکرم کا ارشاد گرامی سن کر حضرت ابوطلحہ انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ فوراً گھر گئے اور بیوی کو مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے اس کے سوا خدا کی قسم گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوطلحہ نے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں۔بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو۔جب وہ سو جائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔تم چراغ درست کرنے کے بہانے اسے اٹھا کر بجھا دینا۔اندھیرے میں مہمان کھانا کھالے گا اور ہم بھی یونہی منہ چلاتے رہیں گے۔غرض اس طرح سے مہمان کو کھانا کھلا کر دونوں میاں بیوی اور بچوں نے رات فاقہ سے گزاری،صبح کو جب یہ نرالے میزبان حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبان رسالت پر سورہ حشر کی یہ آیت جاری تھی:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۱۴)

(ترجمہ)اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔

اور حضور ﷺ فرمارہے تھے کہ تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔ظاہر ہے کہ اس برتاؤ میں جہاں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا رول تھا وہیں اس میں ان کی بیوی کا کردار مرکزی اور نمایاں نظر آتا ہے۔اپنے جگر گوشوں کو بھوکے بہلا پھسلا کر سلا دینا، چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے اس کو بجھا دینا اور خود شوہر کے ساتھ کھانے کی ایکٹنگ کرنا اور شوہر کے ساتھ بھوکے سو رہنا اتنی عظیم الشان ایثار وقربانی ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے اس آیت کا اطلاق حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے گھر والوں پر کیا۔حالانکہ یہ آیت مدینہ طیبہ کے جملہ انصاری مردوخواتین کی ایثاروقربانی کی تعریف میں نازل ہوئی تھی،جیسا کہ مولانا مودودی نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ تعریف ہے مدینہ طیبہ کے انصار کی۔مہاجرین جب مکہ اور دوسرے مقامات سے

ہجرت کر کے ان کے شہر میں آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ پیش کش کی کہ ہمارے باغ اور نخلستان حاضر ہیں آپ انہیں ہمارے اور ان مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ باغبانی نہیں جانتے یہ اس علاقے سے آئے ہیں جہاں باغات نہیں ہیں، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اپنے ان باغوں اور نخلستان میں کام تم کرو اور پیداوار سے حصہ ان کو دو، انہوں نے کہا سمعنا واطعنا۔اس پر مہاجرین نے کہا کہ ہم نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس درجہ ایثار کرنے والے ہوں۔ یہ کام خود کریں گے اور حصہ ہم کو دیں گے۔ہم تو سمجھتے ہیں کہ سارا اجر یہی لوٹ لے گئے۔حضور ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو گے تم کو بھی اجر ملتا رہے گا۔ پھر جب بنی النضیر کا علاقہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب بندوبست کی ایک شکل یہ ہے کہ تمہاری املاک اور یہودیوں کے چھوڑے ہوئے باغات اور نخلستان کو ملا کر ایک کر دیا جائے۔ اور پھر اس پورے مجموعے کو تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے اور دوسری شکل یہ ہے کہ تم اپنی جائیدادیں اپنے پاس رکھو اور یہ متروکہ اراضی مہاجرین میں بانٹ دی جائے۔ انصار نے عرض کیا کہ یہ جائیدادیں آپ ان میں بانٹ دیں اور ہماری جائیدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں ان کو دے سکتے ہیں۔اس پر حضرت ابوبکرؓ پکار اٹھے جزاکم اللہ یامعشر الانصار خیراً۔اس طرح انصار کی رضامندی سے یہودیوں کے چھوڑے ہوئے اموال مہاجرین میں ہی تقسیم کیے گئے۔اور انصار میں سے صرف ابودجانہؓ، حضرت سہل بن حنیفؓ اور بروایت بعض حضرت حارث بن الصمہ کو حصہ دیا گیا کیونکہ یہ حضرات بہت غریب تھے۔اسی ایثار کا ثبوت انصار نے اس وقت دیا جب بحرین کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اس علاقے کی مفتوحہ اراضی انصار کو دی جائے مگر انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس میں سے کوئی حصہ نہ لیں گے جب تک اتنا ہی ہمارے مہاجر بھائیوں کو نہ دیا جائے۔ انصار کا یہی وہ ایثار ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔(۱۵)

صحابہ کرام اور صحابیات کے یہی وہ اوصاف تھے جن کی بدولت وہ اللہ کے محبوب اور پسندیدہ بندے قرار دیے گئے۔ان کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ قرآن پاک نے متعدد مقام

پر انہیں دنیا اور آخرت میں شاندار کامیابی سے ہم کنار ہونے کا اعلان کر دیا ہے، قرآن کا اعلان ہے:

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوا عَنۡه (۱۶)

(ترجمہ) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اور جس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو جائے اس کو دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی سے کوئی نہیں روک سکتا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ دس سال کی مختصر مدت میں پورا جزیرۃ العرب مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو گیا اور اگلے تیس سال میں اسلام عرب سے باہر نکل کر دنیا کی سپر پاور طاقتوں کو سرنگوں کرتا ہوا پوری دنیا میں پھیل گیا۔ صحابہ کرام اور صحابیات کو اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں نواز دیا اور آخرت میں ان کے لیے بڑی کامیابی کا اعلان فرما دیا۔

حواشی

۱-القرآن الکریم، سورہ الفتح:۲۹

۲-سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد پنجم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، جولائی ۱۹۸۲ء ص ۶۳

۳-نفس مصدر ص ۶۴

۴-القرآن الکریم، سورہ الانفال:۲-۴

۵-سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد دوم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، مارچ ۱۹۸۵ء ص ۱۳۰

۶-القرآن الکریم، سورہ التوبہ:۷۱

۷-سید ابواعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد دوم، حوالہ بالا، ص ۲۱۴

۸-القرآن الکریم، سورہ التوبہ:۱۰۰

۹-القرآن الکریم، سورہ الانفال:۷۴-۷۵

۱۰-القرآن الکریم، سورہ الفتح:۱۸

۱۱-سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن، جلد پنجم حوالہ بالا، ص ۵۵

۱۲-القرآن الکریم، سورۃ الحدید:۱۱

۱۳-سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد پنجم، حوالہ بالا، ۳۱۰

۱۴-القرآن الکریم، سورۃ الحشر:۹

۱۵-سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد پنجم، حوالہ بالا، ص ۹۶-۳۹۵

۱۶-القرآن الکریم، سورۃ البینہ:۸

جابر اور متشدد حکمرانوں کا عروج
......اور اس کی قرآنی توجیہ......

عبدالبر اثری فلاحی، ممبئی

قرآن میں جابر اور متشدد حکمرانوں کی حیثیت سے فرعون، جالوت، اصحاب الاخدود اور نمرود وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ فرعون کا ذکر تو بہت تفصیل سے ہے۔ اصحاب الاخدود، جالوت کا تذکرہ مختصراً ہے اور نمرود کا تذکرہ اشارتاً ہے۔

فرعون کے سلسلے میں قرآن کا واضح اعلان ہے:

”وَ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ“

”اور بے شک فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں“۔ (یونس:۱۰:۸۳)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَقَدۡ نَجَّیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُہِیۡنِ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ اِنَّہٗ کَانَ عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ“

”اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کی جانب سے پہنچنے والے سخت ذلت کے عذاب سے نجات دی۔ بیشک وہ (فرعون) حد سے گزر جانے والوں میں بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا“۔ (الدخان:۴۴:۳۱)

سورۃ البقرۃ میں ۲۴۶ تا ۲۵۱ آیات میں جالوت اور طالوت کا قصہ بیان ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے سرداران (ملأ) نے اپنے وقت کے نبی (سموئیل) سے ایک ”مَلِک“ متعین

کرنے کی درخواست کی تھی تا کہ وہ فی سبیل اللہ قتال کر سکیں اور قتال کی وجہ بتاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَائِنَا" ''اور اس حال میں جبکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیے گئے ہیں''۔(البقرۃ:۲۴۶) گویا انہیں بالجبر (فلسطین سے) شہر بدر کیا گیا تھا اور ان کے بیٹے مار دیے گئے تھے یا چھین لیے گئے تھے۔یعنی وہ حالات کے جبر و تشدد سے بے انتہا پریشان ہو چکے تھے اور اس سے نجات چاہتے تھے چنانچہ طالوتؑ کو مبعوث کیا گیا۔انہوں نے چڑھائی کی۔داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور انہیں ملک وحکمت عطا کیا گیا۔

اصحاب الاخدود کا تذکرہ سورۃ البروج ۴ تا ۹ آیات میں ہے۔''اخدود' کے معنی خندق اور گہری کھائی کے ہیں جس میں ایندھن والی آگ بھڑکا کر اہل ایمان کو ڈال کر ظالم و جابر لوگوں نے تماشہ دیکھا تھا۔چنانچہ انہی جابر و سنگ دل لوگوں کو 'اصحاب الاخدود' سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے عبدالماجد دریابادیؒ رقم طراز ہیں:

''تلمیح ایک تاریخی واقعہ کی جانب ہے،جس سے اہل عرب بخوبی واقف تھے۔ظہورِ اسلام سے ذرا قبل ۵۲۳ء میں یمن کے تخت پر حمیری شاہی خاندان کا ایک قاہر و جابر فرد ذونواس متمکن تھا جس نے دین یہود اختیار کیا تھا (مذہب حق اس وقت دین مسیح تھا) یعنی توحید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل وغیر محرف تعلیم کے مطابق، پھر اس بادشاہ کو مسیحیوں سے خاص کد پیدا ہوگئی، اور ان پر اس نے شدید ستم توڑنے شروع کیے، یہاں تک کہ ایک بڑی سی خندق کھدوا کر اور اس میں آگ بھر کر ان مظلوموں کو ان میں جھونکنے لگا۔رُومہ کے تخت پر اس وقت مشہور مسیحی شہنشاہ جسٹینین،جلوس افروز تھا۔اس کی تحریک اور ایما سے حبشہ کے مسیحی والی وحاکم نجاشی نے یمن پر حملہ کر کے بالآخر اس پر قبضہ کر لیا اور ذونواس شکست کھا کر بھاگا،تو سمندر میں کود کر خودکشی کر لی۔گبن وغیرہ انگریزی مؤرخوں نے بھی اس تاریخی تعدی کا ذکر کیا ہے اور قرآن مجید کی اس تلمیح نے اس کی اہمیت پر مہر تصدیق لگادی ہے''۔ [۱]

قرآن میں نمرود کا ذکر تو نام لے کر نہیں ہے۔لیکن سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۸ میں ابراہیم علیہ السلام کا اپنے وقت کے حکمراں سے ربوبیت الٰہی پر ایک مباحثہ نقل ہوا ہے،اور تاریخ کی روشنی میں عموماً مفسرین نے اس حکمراں سے مراد نمرود کو لیا ہے۔اس آیت میں تو اس کے شرک اور تکبر کی طرف اشارات ہیں لیکن سورۃ الانبیاء:۵۱ تا ۷۰ آیات میں ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کا جو واقعہ مذکور ہے وہ خود نمرود کے ظالم و جابر ہونے کا غماز ہے۔کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے شاہی گھرانے سے تعلق

رکھنے کے باوجود ان کے خلاف اتنا بڑا اقدم بادشاہ وقت کی مرضی کے خلاف نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔توریت سے بھی نمرود کے جابر و متشدد ہونے کی تصدیق ہوتی ہے:

''اور کوش سے نمرود پیدا ہوا اور زمین پر جبار ہونے لگا۔خداوند کے سامنے وہ صیّاد و جبار تھا۔اسی واسطے مثل ہوئی کہ خداوند کے سامنے نمرود معاصیّا دو جبّار''

''اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبّار ہونے لگا'' ۳؎

یہودی روایات میں یہ ملتا ہے نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج کی مدد سے آل یافث کو شکست دے کر زمین کا بادشاہ بن گیا۔آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا پھر وہ اپنی عظمت کے نشے میں خدا سے بیگانہ ہو کر بہت سخت قسم کا مشرک ہو گیا۔(تفصیلات کے لیے دیکھئے جیوش انسائیکلو پیڈیا)

واضح رہے کہ یہ جابر و متشدد حکمرانوں کے چند نمونے ہیں ورنہ نزول قرآن سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی بہت سے جابر و متشدد حکمراں کارگاہِ دنیا میں اپنے تماشے دکھاتے رہے ہیں۔لیکن اس مقام پر اصل سوال یہ ہے کہ جب اللہ ظلم و جبر کو ناپسند کرتا ہے تو پھر ایسے جابر و متشدد حکمرانوں کو عروج کیوں کر نصیب ہوتا ہے؟

اس کے جواب میں عموماً یہ بات کہی جاتی ہے کہ ایسا اللہ تعالیٰ لوگوں کو بطور تنبیہ ان کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لیے کرتا ہے۔بطور دلیل ایک حدیث زبان زد خاص و عام ہے: "اَعۡمَالُکُمۡ عُمَّالُکُمۡ"، 'تمہارے اعمال تمہارے حکمراں ہیں'۔ ۴؎ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:"کَمَا تَکُوۡنُوۡنَ یُوَلّٰی عَلَیۡکُمۡ" ''تم جیسے ہوتے ہو تمہارے اوپر ویسے ہی سربراہ متعین کیے جاتے ہیں''۔۵؎ یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی تمہارے حکمراں ہوتے ہیں۔تمہارے اعمال اچھے ہوتے ہیں تو تم پر نیک لوگ حکمراں بنائے جاتے ہیں اور تمہارے اعمال بد ہوتے ہیں تو تم پر ظالم و جابر حکمراں مسلط کر دیے جاتے ہیں۔اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث مزید بیان کی جاتی ہے:

"عَنۡ اَبِیۡ الدَّرۡدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوۡلُ اَنَا اللّٰہُ لَآاِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مَا لِکُ الۡمُلُوۡکِ وَ مَلِکُ الۡمُلُوۡکِ قُلُوۡبُ الۡمُلُوۡکِ فِیۡ یَدِیۡ وَ اِنَّ الۡعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوۡنِیۡ حَوَّلۡتُ قُلُوۡبَ مُلُوۡکِھِمۡ عَلَیۡھِمۡ بِالرَّحۡمَۃِ وَ الرَّأۡفَۃِ وَ اِنَّ الۡعِبَادَ اِذَا عَصَوۡنِیۡ حَوَّلۡتُ قُلُوۡبَھُمۡ بِالسَّخۡطَۃِ وَ النَّقۡمَۃِ فَسَامُوۡھُمۡ سُوۡءَ الۡعَذَابِ فَلَا تُشۡغِلُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ بِالدُّعَاءِ عَلَی الۡمُلُوۡکِ وَلٰکِنۡ اَشۡغِلُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ بِالذِّکۡرِ وَ التَّضَرُّعِ

كَيْ اَكْفِيَكُمُ مُلُوْكَكُمْ"۔

"حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں، میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہان عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں تو میں اُن کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت وشفقت کے ساتھ اُن بندوں پر متوجہ کردیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں اُن کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں، پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لیے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ مشغول کروا پنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح وزاری میں، تاکہ تمہارے لیے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لیے"۔ ۷

گرچہ یہ دونوں احادیث سنداً ضعیف ہیں پہلی حدیث میں یحییٰ بن ہاشم پر وضع کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے اور بعض راوی مجہول ہیں ہے۔ دوسری حدیث میں مقدام بن داؤد کو امام نسائیؒ نے غیر ثقہ کہا ہے اور وھب بن راشد کو ابن عدی اور دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے، علامہ البانیؒ نے "ضعیف جدا" (انتہائی ضعیف) لکھا ہے۸۔

لیکن جو بات کہی گئی ہے وہ بات اپنی جگہ درست ہے کیونکہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

"وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُوْمُهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَحِيْمٌ"(الاعراف:۷:۱۶۷)

ترجمہ: "تمہارے رب نے اعلان کردیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ ان (بنی اسرائیل) پر مسلط کرتا رہے گا جوان کو بدترین عذاب دیں گے، یقیناً تمہارا رب سزادینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے"۔

یہ آیت گرچہ ان ظالم اور سرکش بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے "سبت" کی حرمت کو پامال کیا تھا اور جنہیں بطور سزا کہا گیا تھا"كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ"(بندر ہوجاؤ ذلیل و

خوار) لیکن بات اصولی ہے اس لیے ہر سرکش و ظالم پر چسپاں ہوگی۔

اپنی تمام تر حقانیت اور صداقت کے باوجود یہ بات صرف سکے کا ایک رخ ہے اور صرف اس پر نظر رکھنے کی وجہ سے ایک طرح کی مایوسی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ایسے احوال میں عموماً دیکھنے کو ملتا ہے۔

قرآن مجید اس سلسلے کے کچھ دوسرے رخ بھی دکھاتا ہے اور کچھ دوسری حقیقتوں سے بھی پردہ اٹھاتا ہے جو کہ نہ صرف مایوسی کو دور کرتے ہیں بلکہ انتہائی خوش کن اور حوصلہ افزا ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ ذرا اس پہلو پر غور کریں کہ جہاں قرآن بنی اسرائیل پر فرعون کے انتہائی ظلم و جبر کا تذکرہ کرتا ہے وہیں اس بات کا بھی اشارہ دیتا ہے کہ اب ظلم و جبر کی انتہا ہو چکی ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ مستضعفین کو سرخرو اور غالب کرے۔ اللہ کی چاہت کا کیا مطلب ہے؟ گویا اللہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اب ظالم و جابر کو ہٹا کر مستضعفین کو عروج عطا کرے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

”اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ۔ وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ۔ وَ نُمَکِّنَ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ نُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ جُنُوۡدَہُمَا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ“ (القصص:۲۸:۴-۶)

”واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور و ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں کمزور و ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا“۔

قرآن میں مزید مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد سارے عروج اور لاؤ لشکر کے باوجود فرعون کو اس کی قوم کے ساتھ غرق کر کے مٹا دیا گیا اور بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم کے جبر و استبداد سے نجات دی گئی۔ گرچہ فوراً بنی اسرائیل کو عروج نصیب نہیں ہوا کیونکہ عروج حاصل کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کی استعداد سے محروم تھے، چنانچہ انہیں پہلے ۴۰ رسال تک وادی تیہ میں بھٹکا کر تیار کیا

گیا پھر جب نئی نسل تیار ہوگئی تو پھر انہیں عروج واقتدار سب حاصل ہوگیا۔ ان ساری تفصیلات سے صاف واضح ہے کہ جیسے جیسے ظالم وجابر انتہا کو پار کرتے جاتے ہیں ویسے ویسے گویا وہ اپنے آخری وقت سے قریب آتے جاتے ہیں اور اسی طرح جو مظلوم ومقہور ہوتے ہیں اور جبر واستبداد کی چکی میں پستے رہتے ہیں اگر وہ صبر واستقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کی آزمائش میں پورے اترتے ہیں تو پھر گویا عروج ان کا ہی مقدر قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اس آزمائش کی بھٹی میں تپا کر کندن بنانے کو بھی ظالم وجابر حکمرانوں کے عروج کے اسباب میں سے ایک سبب شمار کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ان کے معاصر حکمرانوں کا جو جابرانہ اور معاندانہ رویہ رہتا ہے۔ نعوذ باللہ اس کی وجہ شامت اعمال نہیں ہوتی بلکہ یہی ابتلاء وآزمائش ہوتی ہے تاکہ انہیں کندن بنا کر بلند درجات عطا کیے جائیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًاقَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ“(سورۃ البقرۃ:۲:۱۲۴)

”اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا ”میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں“۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا ”میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے“۔

اس مسئلہ کا ایک تیسرا پہلو امہال/املاء (مہلت دینا) بھی ہے۔ جس کی طرف قرآن مجید میں جگہ جگہ اشارہ کیا گیا ہے۔ امہال کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا ہر ایک کے لیے دارالامتحان ہے۔ اس امتحان گاہ میں ہر ایک کو اپنے اختیار کو استعمال کرنے کی مکمل آزادی میسر ہے تاکہ اسے خوب کھیل کھیلنے کا موقع حاصل رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کسی کی بھی پہلے ہی مرحلے میں گرفت نہیں کرتا۔ خواہ عام گنہگار ہو یا ظالم وجابر حکمراں ہو بلکہ وہ انہیں ایک حد تک مہلت دیتا ہے تاکہ ان میں سے جو توبہ اور رجوع کرنا چاہے وہ رجوع کرلے لیکن جن کو بدبختی گھیر لیتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ میری کوئی گرفت نہیں کرسکتا اور وہ ظلم وجبر میں حد سے تجاوز کرتا جاتا ہے۔ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ وہ عروج کی منزلیں طے کررہا ہے حالانکہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودرہا ہوتا ہے اور جلد ہی وہ وقت آتا ہے کہ وہ اس قبر میں پہنچ جاتا ہے

اور پھر کوئی اسے اس کی ہلاکت سے روک نہیں پاتا۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْآ اِثْماً وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْن (آل عمران:۳:۱۷۸)

''ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں، پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔''

بلکہ وقتی عروج کو دیکھ کر خوش ہونے والوں کو تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ (آل عمران:۳:۱۷۸)

''یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں''۔

سورہ مزمل آیات ۱۱ تا ۱۶ کے اندر تو رسول اللہ ﷺ کو ایسے لوگوں سے نمٹنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے انہیں تھوڑی مہلت دینے کی ہدایت دینے کے بعد بطور مثال فرعون ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جب فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے ایسا پکڑا کہ وہ تباہ ہو کر ہی رہا۔ متعلقہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَذَرْنِیْ وَ الْمُکَذِّبِیْنَ اُولِیْ النَّعْمَۃِ وَ مَھِّلْھُمْ قَلِیْلاً۔ اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالاً وَّ جَحِیْماً۔ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَاباً اَلِیْماً۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْباً مَّھِیْلاً۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلاً شَاھِداً عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلاً۔ (المزمل:۷۳:۱۱-۱۶)

''ان جھٹلانے والے خوشحال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور انہیں ذرا کچھ دیر اِسی حالت پر رہنے دو، ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔ یہ اُس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اُٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔ تم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو جب) فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ایک چور کے پکڑے جانے کے بعد اس کی عذر و معذرت اور اس کی اس صفائی کو کہ اس نے پہلی بار چوری کی ہے اسی بنیاد پر رد کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ''گرفتار کیے

جانے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے پہلے بھی چوری کی ہے ورنہ اللہ پہلے پردہ ڈالتا ہے اور ڈھیل دیتا ہے اور جب بندہ حد سے تجاوز کرتا ہے تب گرفت فرماتا ہے''۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ اس نے کہا "وَ اللّٰہِ! مَا سَرَقْتُ قَبْلَهَا" ۔''اللہ کی قسم اس سے پہلے میں نے کبھی چوری نہیں کی''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "كَذَبْتَ وَ رَبِّ عُمَرَ! مَا أَخَذَ اللّٰهُ عَبْداً عِنْدَ أَوَّلِ ذَنْبٍ" ''تو جھوٹا ہے، عمر کے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے پہلے گناہ کی بدولت اسے کبھی نہیں پکڑتا''۔ اس مجلس میں حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ حلیم و بردبار ہے اور وہ اپنے بندے کو پہلے گناہ کی بدولت نہیں پکڑتا کیونکہ وہ تو رحیم اور کریم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنا فیصلہ سنایا اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ہاتھ کٹنے کے بعد حضرت علیؓ اس چور کے پاس گئے اور اس سے کہا: "أَنْشُدُكَ اللّٰهَ، كَمْ سَرَقْتَ مِنْ مَرَّةٍ" ''تمہیں اللہ کی قسم دے کر میں پوچھتا ہوں کتنی مرتبہ چوری کے مرتکب ہوئے ہو''؟ اس نے کہا: ''اکیس مرتبہ''۔ 9

صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی اس اصول کی تائید ہوتی ہے:

"عَنْ اَبِیْ مُوْسَیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُمْلِيْ لِلظَّالِمِ فَاِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ۔ ثُمَّ قَرَأَ "وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ اِذَااَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ أَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ" (ھود:۱۱:۱۰۲)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بیشک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر انہوں نے تلاوت فرمائی: ''اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے''۔ 10

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جابر و متشدد حکمرانوں کا عروج صرف شامت اعمال کا نتیجہ نہیں ہوتا اور فقط تنبیہی عذاب کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اپنے جلو میں وہ جابروں کے لیے ہلاکت کی خوش خبری اور مستضعفین کے عروج کی بشارت بھی لاتا ہے۔ ظلم و جبر کی شدت جہاں ظالم و جابر کی مہلت عمل کو ختم کرتی اور انہیں کیفر کردار تک پہنچاتی ہے وہیں مستضعفین کی صیقل گری کر کے انہیں کندن بناتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں مایوسی کا شکار ہونے کے بجائے حوصلہ و ہمت اور صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔ ایسی صورت حال پسندیدہ نہیں بلکہ خطرناک ہوتی ہے۔ اچھے اچھوں کے قدم پھسل جاتے ہیں

اسی لیے ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ ''وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا'' ''اور تو ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ فرمائے''۔ [۱۱]

خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلے میں اللہ کی پناہ حاصل کی تھی: وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَ رَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ (غافر:۴۰:۲۷) موسیٰ نے کہا: ''میں نے تو ہر اُس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے''۔

ایسی صورت حال کی سنگینی ہی کی وجہ سے جابر حکمراں کے سامنے حق بات کہنے کو ''افضل الجہاد'' کہا گیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدرِيْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةُ حَقٍ عِنْدَ سُلْطَانِ جَابِرٍ''، ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جابر حکمراں کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل الجہاد ہے''۔ [۱۲]

خود اس حدیث اور قرآن میں مذکور ظالم و جابر حکمرانوں کے واقعات کے اندر یہ پیغام بھی مضمر ہے کہ جابر و متشدد حکمرانوں کے دباؤ میں آکر حق بات سے باز آجانا روا نہیں ہے بلکہ کلمہ حق کی تبلیغ ہر حال میں جاری رکھنا سب سے اہم فریضہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے بڑا دباؤ تھا لیکن وہ اظہار حق سے کبھی باز نہیں آئے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین

حوالہ جات

۱-عبدالماجد دریابادیؒ، قرآنی شخصیات، نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی دہلی۔۶، ۱۹۹۸ء بار اول، صفحہ: ۳۶

۲-کتاب مقدس (عہد نامہ قدیم)، پیدائش: ۱۰:۹۸، بائبل سوسائٹی ۲۰۶، مہاتما گاندھی روڈ، بنگلور ۵۶۰۰۰۱، صفحہ: ۱۲

۳-کتاب مقدس (عہد نامہ قدیم)، ۱، تواریخ: ۱۰:۶۰، بائبل سوسائٹی ۲۰۶، مہاتما گاندھی روڈ، بنگلور ۵۶۰۰۰۱، صفحہ: ۳۹۳

۴-طبرانی

۵-بیہقی

۶-ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۳۸۸

۷-تفصیلات کے لیے دیکھئے:

علامہ محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ کی کتاب ''المقاصد الحسنہ، تحقیق عبداللہ محمد صدیق، حدیث نمبر۸۳۵،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت،اشاعت۱۹۷۹ءصفحہ۳۲۶

۸-تفصیلات کے لیے دیکھئے:

سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ:۶۰۲،مطبوعہ مکتبہ معارف ریاض،اشاعت ۲۰۰۰ء، جلد دوم،صفحہ۶۸

۹-تفصیلات کے لیے دیکھئے:

سنہرے فیصلے ، عبدالمالک مجاہد، مطبوعہ دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، پوسٹ باکس نمبر۲۲۷۴۳، ریاض ۱۱۴۱۶،سعودی عرب،اشاعت ۱۴۲۷ھ،صفحہ نمبر ۱۸۶-۱۸۵

۱۰- رواہ الترمذی:۳۵۰۲، وقال حسن غریب۔علامہ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے،۹۔صحیح مسلم مترجم علامہ وحیدالزماں، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم ،اعتقاد پبلشنگ ہاؤس،سوئیوالان دہلی۔۶،طبع اپریل ۲۰۰۱ء جلد۶،صفحہ۲۱۹

۱۱- جامع ترمذی، مترجم مولانا فضل احمد، ابواب الدعوات باب۱۷۱۳۰، حدیث نمبر ۳۲۷۶، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، اشاعت اول ۲۰۱۰ء، جلد اول،صفحہ ۲۷۸، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تفصیلات کے لیے دیکھئے:

سنن الترمذی، حدیث نمبر ۲۲۵، تحقیق وتعلیق محمد ناصرالدین البانی، مکتبہ معارف ریاض، ۱۴۱۷ھ جلداول،صفحہ۷۹۵

۱۲- جامع ترمذی ، مترجم مولانا فضل احمد ،ابواب فتن، باب افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر، حدیث نمبر۱۹۹۵، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند،اشاعت اول۲۰۱۰ء جلد اول،صفحہ۷۹۳

اسلامی تہذیب

کی امتیازی خصوصیات(۱)

ضمیر الحسن خان فلاحی، لکھنؤ
موبائیل:07417449612

بنیادی اعتبار سے دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صرف دو نظام ہیں۔ایک اسلامی اور دوسرا غیر اسلامی۔ پہلے نظام کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے،عقیدۂ رسالت و آخرت اس کے لازمی اجزا ہیں۔ دوسرے کی اس حقیقت کے انکار پر اور اسی کا نام مغربی تہذیب ہے۔

حالات بتاتے ہیں کہ مغربی تہذیب ہر اعتبار سے زوال پذیر اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں بلکہ صحیح معنی میں اس کی بنیادیں ہی بے بنیاد ہیں۔اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مغرب اس زعم میں مبتلا ہے کہ اس کی تہذیب سب سے اعلی و برتر ہے اور تمام دیگر تہذیبوں کے لیے قابل تقلید ہے۔یعنی ایک طرف غلط احساس برتری اور اس پر مزید شرمناک جہالت۔

وہیں اسلام نے اس دنیائے آب وگل کو تہذیب کے ایک نئے تصور سے متعارف کرایا بلکہ تہذیب کا صحیح تصور دیا، دستور زندگی کی بنیاد رکھی، انسانوں کے اندر جارحیت پسندی کے جذبات کو ختم کر کے ایک ایسا بھائی چارہ قائم کیا جس نے فرد اور جماعت کے درمیان الفت ومحبت، اخوت وتعاون اور اتحاد و اتفاق کے اوصاف کو نشو ونما بخشی، شورائی نظام پر نظام مملکت استوار کیا، دین میں جبر و اکراہ کا خاتمہ کیا۔ **لکم دینکم ولی دین** (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرا دین میرے لیے) کہہ کر اعلان کر دیا کہ قصر اسلام میں داخل ہونے کے لیے ہر شخص آزاد ہے۔محض کافر ہونے کی وجہ سے کوئی انسان باعث نفرت نہیں ہوسکتا۔غرض رواداری، تحمل، عدم جارحیت اور بردباری کی دنیا آباد کی، جو جبر واستبداد،

ظلم وستم، بغض وحسد، کینہ وتنگ نظری کے جذبات سے بالکل پاک ہواورنوع انسانی کے لیے امن وسکون اورمہر ومحبت کا گہوارہ ہو۔

تہذیب اسلامی کا یہ آفتاب پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی روشنیاں بکھیرتا نکلا اور اپنی شعاعوں سے پوری دنیا کو منور کرتا چلا گیا۔ اُجڈ اور شریر لوگوں کے دل بدل گئے، فکر ونظر میں انقلاب آ گیا اور غصب وقزاقی کا خوگر عرب معاشرہ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی نہ صرف انسان بلکہ نمونہ انسانیت بن گیا۔ انسانی تہذیب کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا قدیم اس خاک دان ارض میں خود انسان کا وجود ہے۔ دراصل یہ سلسلہ ایسا ہے جو اول روز سے تاامروز دراز ہے۔

کسی تہذیب کا تعلق اصولی طور پر کسی خاص خطۂ ارض یا کسی خاص نسل سے نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام دنیا اور دنیا کی تمام نسلوں اور خطوں کو محیط ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ظہور پذیر ہونے والی ہر قوم تہذیب وتمدن کے باب میں کچھ نہ کچھ صفحات ضرور رقم کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض تہذیبیں اپنی ٹھوس بنیادوں، زبردست اثر انگیزی اور افادۂ عام کی بنا پر دیگر تہذیبوں سے ممتاز ہو جاتی ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہر وہ تہذیب جس کا پیغام عالم گیر ہو، جس کا خمیر انسانیت نوازی پر اُٹھا ہو، جس کی ہدایات وتعلیمات میں اخلاقی قدروں کی پاسداری ہو اور جس کے اصول حقیقت پسندی پر مبنی ہوں، تاریخ میں ایسی ہی تہذیب کو بقائے دوام حاصل ہوتی ہے۔ مرور ایام کے باوصف انسانی زبانیں اس کے ذکر سے تر رہتی ہیں اور ہر زمانہ میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ظہور اسلام کے وقت عالمی منظر نامے کو گھٹا ٹوپ تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تہذیبی وثقافتی انحطاط بنی آدم کا مقدر بن چکا تھا، اجتماعی زندگی تہذیب وشائستگی کے اوصاف حمیدہ سے یکسر محروم ہو چکی تھی۔ زوال آمادہ تہذیبیں قعر مذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہو رہی تھیں۔ مصطفوی انقلاب کا سورج طلوع ہوا تو تہذیبی وثقافتی اور اجتماعی سطح پر بھی انقلاب آفریں تہذیب کا آغاز ہوا۔

بعد کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسلام کے پیغام کو آگے بڑھایا اور دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ مسلمان جہاں بھی گئے اپنی توانا تہذیبی روایات اپنے ساتھ لے کر گئے اور جہاں بھی تہذیبوں کا آمنا سامنا ہوا اسلامی تہذیب اپنی تخلیقی توانائیوں کی بدولت قدیم تہذیبوں پر نہ صرف غالب رہی بلکہ واحد آفاقی تہذیب کے طور پر سامنے آئی۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے معروف مغربی مفکر آرنلڈ ٹائن بی لکھتا ہے:

''دوسرا زندہ معاشرہ جس کا ہمیں مطالعہ کرنا ہے وہ اسلام ہے۔ جب ہم اسلامی معاشرے کے پس منظر کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں تو بڑے واضح طور پر ایک بین الاقوامی اور آفاقی ریاست اور ایک بین الاقوامی اور آفاقی مذہبی ادارے اور ایک ہمہ گیر نظریہ حیات (تہذیب) کو موجود پاتے ہیں۔''

موصوف کا مذکورہ تجزیہ ہر قاری کو اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات:

یوں تو اسلامی تہذیب اپنے جلو میں ہزار ہا خوبیوں اور خصوصیات کو سموئے ہوئے ہے، مگر ذیل میں ان میں سے چند امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا جارہا ہے جو آئندہ بھی ایک بے مثال تہذیب کے استحکام کی بنیاد بننے کی اہلیت رکھتی ہیں۔

(ا) تہذیب اسلامی کی پہلی خصوصیت جس میں وہ دنیا کی تمام تہذیبوں سے ممتاز ہے، وہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب عقیدہ توحید پر قائم ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تعلیم ہے جس کی دعوت اسلام کا اولین مشن ہے۔ اسلامی تہذیب کی ہمہ جہت نشو ونما اور عالم گیر ارتقاء کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود علاقائی، جغرافیائی، نسلی اور لسانی تنوع کے جو عنصر قدر مشترک کے طور پر موجود ہے، وہ عقیدہ توحید ہی ہے۔ توحید ہی اسلامی تہذیب کی قوت ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی عقیدہ، آئیڈیالوجی اور نظام زندگی نہیں کرسکا۔ توحید کے مفہوم و مقتضا کو دل و دماغ میں اتار لینے اور راسخ کر لینے کے نتیجہ ہی میں عوام، سلاطین و امراء کی چیرہ دستیوں اور پاپائیت و برہمنیت کی گرفت سے نجات پاسکے۔

توحید محض ایک عقیدہ یا تصور نہیں ہے بلکہ یہ ایک زندہ اور حرکی تصور زندگی ہے، یہ اسلامی تہذیب کے شجر طیبہ کی اصل اور فرد و ملت کے پیکر حیات کی روح ہے۔ جس طرح روح کے بغیر کوئی جسم زندگی کا حامل نہیں ہوسکتا اسی طرح عقیدۂ توحید کے بغیر اسلامی/انسانی معاشرہ میں فرد اور ملت بے جان ہوجاتے ہیں۔ توحید غیر اللہ کی نفی اور اللہ تعالی کی الوہیت و وحدانیت کے اقرار سے عبارت ہے۔ یہی لا اور الا اسلامی معاشرے کے قلب و ذہن سے ہر غیر اللہ کا نقش مٹا کر اطاعت الٰہی اور بندگیٔ رب کا داعیہ پیدا کرتے ہیں۔ ان سے انہیں وہ ایمانی قوت نصیب ہوتی ہے جس سے دل میں زندگی اور زندگی میں معنویت، وسعت اور آفاقیت جگہ پاتی ہے۔ اسلام سے قبل عقیدۂ توحید شرک کی گوناگوں صورتوں کی بنا پر بگاڑ کا شکار ہوگیا تھا۔ اسلام نے عقیدۂ توحید کی ان تمام خرابیوں کا خاتمہ کیا جو اسلام سے پیشتر

مذاہب وملل کے اندر پیدا ہو چکی تھیں۔

انسانی معاشرہ پر توحید کے اثرات اتنے ہمہ گیر اور گہرے ہیں کہ اغیار بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ ایک مغربی دانشور لکھتا ہے:

''محمدؐ کے زمانہ میں رومی سلطنت کی زندگی کی دو خصوصیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ جن سے ایک عام عربی ذہن بہت زیادہ متأثر ہوتا ہے۔ ان میں ایک خصوصیت توحید پر مبنی مذہب تھا اور دوسری قانون وحکومت کا نظم ونسق۔ محمدؐ کی پوری زندگی اور زندگی بھر کی جدوجہد ان عناصر کو جو روم کی سماجی زندگی کے بنیادی عناصر تھے، عرب کے مقامی حالات میں ڈھالنے اور عرب کے توحید پر مبنی مذہب اور ایک ہی آقا کے تحت سلطنت کی تشکیل میں استعمال کرنے سے عبارت ہے۔ یعنی ایسا ادارہ جو ایک ہمہ گیر ادارے اسلام پر مبنی تھا، اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے کہ انہوں نے ایک عظیم الشان قوت محرکہ فراہم کردی جسے ان وحشی اور بدوی مزاج عرب کی ضروریات کے لیے تشکیل دیا گیا تھا اور پھر یہ نظام اس جزیرہ نما کی سرحدوں سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا۔''

(۲) اس تہذیب کی دوسری نمایاں خصوصیت رسالت کا عقیدہ ہے۔ اسلامی تہذیب کی تشکیل میں عقیدۂ رسالت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دین کی پوری عمارت کی بنیاد ایمان، اسلام اور احسان پر قائم ہے۔ اگر دین کے ان عناصر سہ گانہ کے اجتماعی وسماجی سطح پر اثرات کو دیکھیں تو ایمان دین کے مذہبی پہلو کا احاطہ کرتا ہے، جو عقائد پر مشتمل ہے۔ اسلام ان عقائد کی تعبیر وتشریح اور ان کی روشنی میں عملی زندگی بسر کرنے کا نام ہے اور احسان معاشرہ کی اخلاقی وروحانی بالیدگی کا وہ منہج ہے، جس سے معاشرے کا جسد روحانی زندہ اور بحال رہتا ہے۔ دین کے یہ تینوں شعبے اسی وقت مؤثر اور نتیجہ خیز ہوتے ہیں جب ان کا کامل اور قابل تقلید عملی نمونہ موجود ہو۔ حضور اکرمؐ کی ذات بابرکات وہ کامل نمونہ ہے جو ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل کے لیے ان تینوں جہات کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔

انسانی تاریخ میں سنت اللہ رہی ہے کہ جب کوئی معاشرہ انحطاط کا شکار ہوا ہے تو اس کے زوال وانحطاط کا ازالہ وحی کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ یعنی اس زوال زدہ معاشرہ میں انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے گئے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی تعلیمات اور اپنے یقین وعمل سے اس معاشرہ کے تن مردہ میں پھر سے روح پھونکنے کا کام کیا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق دنیا کے ہر خطہ اور نسل انسانی کے ہر طبقہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے۔ ارشاد ہے:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔(الفاطر:۲۴)

(اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔)

غرض کرۂ ارض کا کوئی خطہ اللہ کے ان فرستادوں سے خالی نہیں رہا۔ یہ سلسلہ جاری رہا، انسانی تہذیب وتمدن کے اوصاف سے متصف ہوتا گیا۔ بالآخر سب سے آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کو تہذیب کے سب سے بڑے داعی کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا۔اور ساتھ ہی یہ اعلان کردیا گیا کہ اب قیامت تک پوری انسانیت کی معاشرتی،معاشی،سماجی،تہذیبی اور ثقافتی شناخت کا واحد معتبر ذریعہ آپؐ کی رسالت ہوگی۔گویا اس حیثیت سے آپؐ کی لائی ہوئی تہذیب دنیا کی آفاقی اور ہمہ گیر تہذیب بھی قرار پائی۔

(۳) اسلامی تہذیب کی تیسری بنیادی خصوصیت جس سے دوسری تہذیبوں کا دامن خالی ہے، عقیدۂ آخرت ہے۔کوئی معاشرہ اس وقت تک صحت مند روایات کا امین وحامل نہیں بن سکتا جب تک اس کے اندر کسی مافوق الفطرت ہستی کے سامنے جواب دہی احساس نہ ہو۔اسلامی تہذیب اس حوالہ سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ دنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں دنیوی زندگی میں انجام دیے جانے والے اعمال کے احتساب اور جواب دہی کا تصور اس کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔قادر مطلق اور رب العالمین کے حضور جواب دہی کا یہ تصور جب سماجی اور عملی رویہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے تو ایسا تمدن وجود میں آتا ہے جس میں معروف کے فروغ کے امکانات، برائی کے فروغ کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ایمان کے استحکام اور کفر کے انکار کی بنیاد اس تصور کو قرار دیا گیا ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُون۔(البقرہ:۲۸)

(تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے،اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت دے گا اور پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔)

جواب دہی اور جرم وسزا کا یہ تصور بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں ایک جگہ فرمایا گیا:

ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ. (آل عمران:۱۶۱)

(پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔)

دوسری جگہ فرمایا:

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (آل عمران:۱۸۵)

(اورتمہاری پوری پوری اجرتیں قیامت کے روز تمہیں دی جائیں گی۔)

عقیدۂ آخرت کے سلسلہ میں ان بنیادی اجزاء پر یقین کامل ایمان کی بنیادی شرطوں میں سے ہے۔جس سے انسان کی سماجی و معاشرتی زندگی براہ راست متاثر ہوتی ہے اور دنیوی زندگی میں ایک بے مثال عملی رویہ کی شروعات ہوتی ہے۔

(۴) اسلامی تہذیب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف اور پیغام تمام کے تمام آفاقی ہیں۔قرآن مجید جو اسلامی تہذیب کا اصل اور بنیادی ماٴخذ ہے، اس نے تمام انسانوں کو حق، بھلائی اور شرافت کی بنیاد پر ایک کنبہ قرار دیا اور پھر اپنی عطا کردہ تہذیب کو قلادے کے درجہ میں رکھا، جس میں ان تمام قبائل و اقوام کے عمدہ و گراں مایہ جواہر کو پرودیا جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اس کی تبلیغ واشاعت میں کوشاں رہے۔دنیا کی دوسری تہذیبیں کسی ایک نسل کے مردان کار پر ناز کرتی ہیں جبکہ اسلامی تہذیب میں وہ تمام افراد سرمایہ افتخار ہوتے ہیں جنہوں نے اس کے سرِ عظمت کو بلند کرنے میں کوئی کردار ادا کیا۔ چنانچہ مختلف ادوار میں ابوبکر وعمر، سلمان وصہیب، ابوحنیفہ وشافعی، احمد، خلیل، سیبویہ، کندی وغزالی، فارابی وابن رشد، مجدد الف ثانی وابن تیمیہ، حسن البنا اور مودودی (جن کی نسلیں بھی مختلف تھیں اور قومیت بھی الگ) کے ذریعہ اسلامی تہذیب نے پورے عالم کو فکر سلیم کے عمدہ نتائج سے ہمکنار کیا۔

اسلامی تہذیب وہ تہذیب ہے جو انسان اور انسان میں اور وطن اور وطن میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی، رنگ ونسل اور زبان کے معاملہ میں کوئی جانبداری نہیں برتتی۔اور نہ کسی جارحیت (Aggression) کی روادار ہے۔اس کے نزدیک رنگ، نسل، زبان اور کلچر کی بنا پر کسی انسان کا کسی انسان سے نفرت کرنا، اس کی جان یا عزت کے درپے ہونا، اس کے لیے ظلم وسفا کی کو روا رکھنا، جاہلیت کا نشان وشعار اور دورِ وحشت و بربریت کی یادگار ہے۔اس کی نظر میں سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔اگر کچھ فضیلت ہے تو اس کی بنیاد تقوی ہے: يا أيها الناس! كلكم من آدم و آدم من تراب، لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي......إلا بالتقوى۔ ایک حدیث میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی عصبیت کی دعوت دی، وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت کے لیے لڑا وہ ہم میں سے

نہیں، اور جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں''۔ گویا یہ تہذیب آفاقی و عالم گیر تہذیب ہے، اس کا پیغام آفاقی ہے، اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ اس کے اصول رب العالمین کے وضع کردہ ہیں، اس لیے سارے انسان اس کے پابند ہیں، اس پر برادران وطن کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا برادران اسلام کا ہے، اس لحاظ سے کہ یہ ایک انسانی تہذیب ہے۔

(۵) تہذیب اسلامی کی ایک اور خصوصیت اس کا نظام عدل وانصاف ہے۔ عدل ومساوات کا یہ نظام ہر پہلو سے جاری وساری ہے۔ نماز میں سارے لوگ ایک ہی حیثیت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ محمود وایاز میں کوئی تفریق نہیں ہوتی، روزہ میں امیر وغریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے، حج کے دوران بھی سب یکساں ومساوی نظر آتے ہیں۔ دیوانی قوانین میں سب کے ساتھ انصاف ہوتا ہے اور قانون سازی کا مقصد عدل وانصاف کا قیام ہوتا ہے۔ قانون ظلم کے خلاف علم اٹھاتا ہے تاکہ مظلوم ومقہور اس کے سایہ میں پناہ لیں۔ قانون فوجداری سب کے لیے ہے۔ جو قتل ناحق کرے گا، واجب القصاص ہوگا۔ جو چوری کرے گا، سزا پائے گا۔ قاتل خواہ امیر ہو یا غریب، مقتول چاہے غلام ہو یا آقا، قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ قانون کی ایسی نادر المثال حکمرانی ہے کہ جب کسی شریف زادہ کے سلسلہ میں سفارش کی جاتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے: لو کانت فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

(اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔)

(۶) اسلامی تہذیب کی ایک اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنے تمام ضابطہ حیات اور زندگی کی جملہ سرگرمیوں میں اعلی قدروں کو اولیت دی ہے۔ علم وحکمت، قوانین شریعت، صلح وجنگ، نظام معیشت ومعاشرت ہر چیز میں ان کی قانوناً بھی رعایت کی گئی ہے اور عملاً بھی۔ اس حوالہ سے تہذیب اسلامی کا پلڑا دیگر تمام قدیم وجدید تہذیبوں پر بھاری ہے۔ اس میدان میں اس نے قابل فخر آثار چھوڑے ہیں اور انسانیت نوازی میں سب سے آگے نظر آتی ہے۔ آگے اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔

(۷) تہذیب اسلامی کی ایک اور خوبی جس میں پوری انسانی تاریخ میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں ہے، یہ ہے کہ اس نے سچے اصولوں پر مبنی علم اور پکے مبادیات پر مبنی عقائد کو ہمیشہ خوش آمدید کہا۔ چنانچہ عقل کو بھی یہ خطاب کرتی ہے اور قلب بھی اس کا مخاطب ہے۔ فکر وشعور دونوں اس کی جولان گاہ ہیں۔ اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے ایسا نظام حکومت قائم کیا جو حق وانصاف پر مبنی ہے اور دین وعقیدہ جس

کا مرکز ومحور ہے۔ ایسا نہیں کیا کہ دین کو حکومت اور تہذیبی وتمدنی ترقیوں سے الگ رکھے بلکہ ہر قسم کی ترقی میں دین کو ایک اہم عامل کی حیثیت حاصل رہی۔ چنانچہ بغداد، دمشق، قاہرہ، قرطبہ اور غرناطہ کے منارہائے مساجد سے علم و دانش کی جو کرنیں پھوٹیں، سارے عالم کو منور کر گئیں۔ اسلامی تہذیب ہی وہ واحد تہذیب ہے جس میں دین اور سیاست کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ مگر وہ اس امتزاج کی زیاں کاریوں سے بالکل محفوظ ہے۔ حکمراں، خلیفہ یا امیر المومنین کہلاتے تھے اور فیصلے حق کے موافق ہوتے تھے۔ شرعی فتاویٰ وہی لوگ صادر کرنے کے مجاز اور اہل تھے، جو فقہ وفتاویٰ پر اتھارٹی تھے۔ ہر کوئی قانون وفیصلے کے سامنے برابر ہوتا۔

(۸) اسلامی تہذیب کی ایک اور خوبی جو مذہب کی بنیاد پر قائم کسی بھی تہذیب میں مفقود ہے، وہ اہم ترین خصوصیت اس کی کشادہ ظرفی اور رواداری ہے۔ کسی ایسے شخص کا جو نہ کسی مذہب کا پیرو ہو اور نہ کسی معبود کی پرستش کرتا ہو، تمام مذاہب عالم کو ایک نظر سے دیکھنا اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرنا، کوئی قابل تعجب نہیں ہے، لیکن ایسا شخص جس کو اپنے مذہب کے برحق ہونے اور اپنے عقیدے کے مبنی برصحت ہونے پر کامل یقین ہو، پھر اسے شمشیر بکف ہونے، اقطار عالم کو فتح کرنے، ان پر راج کرنے اور وہاں کے باشندوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کا موقع بھی ملے، اور اپنے دین کی صداقت وحقانیت اسے فیصلہ میں ظلم وجور کرنے، عدالت کی راہوں سے منحرف ہونے اور لوگوں کو اپنے دین اور اپنی تہذیب کے آگے سربسجود ہونے پر مجبور نہ کرے، ایسا شخص تاریخ میں یقیناً عجیب وغریب ہی شمار کیا جائے گا۔ یہ ایک مسلمہ سچائی ہے کہ تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ مصالحت، انصاف، رحم وکرم اور انسانیت کی علمبردار تہذیب صرف اسلامی تہذیب ہے۔ اس کی لامحدود وسعتوں میں مذاہب عالم کی تہذیبوں کی سچائی ناممکن ہے۔

اسلامی تہذیب کی مذکورہ بالا خصوصیات اس وقت سے قائم ہیں جب دنیا حکومت وسلطنت، علم و حکمت اور قیادت وسیادت ہر میدان میں اس کے زیر نگیں تھی۔ لیکن جب اس کا زور ٹوٹا، اس کے گلے لگانے والے اپنی کوتاہیوں کے سبب پسماندگی کا شکار ہو گئے اور دوسری تہذیبیں دنیا کے افق پر ابھر آئیں اور دنیا کی نگاہیں مختلف انداز میں اس فقید المثال تہذیب کی طرف اٹھنے لگیں، کچھ اس کی مذمت اور بعض اس کی توصیف وتحسین میں مشغول ہو گئے۔

دنیا کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی قوم اور اس کی تہذیب وثقافت کسی دوسری قوم اور تہذیب کے زیر

تسلط ہوتی ہے تو وہ قوم انتہائی ناتواں اور کمزور ہو جاتی ہے اور فاتح قوم اس پر ہاتھ صاف کرتی اور اس پر حکومت کرنے لگتی ہے۔ پھر زمانہ کی ریت یہ بھی ہے کہ طاقتور کمزور کی تحقیر و تنقیص کرتا ہے اور ہمہ آن اسے ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تہذیب جدید نے اسلام اور اس کی تہذیب کے ساتھ اسی روایت کو دوہرایا۔

افسوس یہ ہے کہ مسلم قوم یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ دشمن ہمارے اور ہماری تہذیب کے تئیں کتنا متعصّبانہ رویہ رکھتا ہے اور کس کس طرح سے ہماری روشن اور بے داغ تہذیب کو اپنی جارحیت کا نشانہ بناتا ہے۔ دشمنوں میں کچھ تو وہ ہیں جو اپنی تہذیب کے باب میں بے جا عصبیت کے شکار ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو قومی نخوت کے سبب کسی دوسری قوم کے فضل و کمال کے اعتراف کے بھی روادار نہیں ہیں۔ لیکن اس کا سب سے زیادہ شرمناک پہلو یہ ہے کہ کچھ روشن خیال مسلمان، خردمندان فرنگ کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ تہذیب نو کے نقوش علوم جدیدہ کی دنیا میں اس کی نت نئی ایجادات و فتوحات کے بالمقابل، اسلامی تہذیب ہیچ ہے۔ مگر ان کی یہ توجیہ درج ذیل دو وجوہ سے لائق اعتنا نہیں ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر تہذیب کے دو پہلو ہوتے ہیں: (۱) اخلاقی (۲) مادی۔

جہاں تک مادی عنصر کا تعلق ہے تو اس میں شبہہ نہیں کہ ہر ظاہر ہونے والی تہذیب اپنی ماقبل تہذیب سے اس باب میں سبقت رکھتی ہے۔ زندگی اور وسائل زندگی کے حوالہ سے سنت اللہ بھی یہی ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ دنیا کی تہذیبوں کے درمیان فرق مراتب کے لیے مادی عنصر کو کبھی بھی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

رہا اخلاقی عنصر تو حقیقت میں یہی عنصر تہذیبوں کو حیات جاوداں عطا کرتا ہے اور اسے اپنا کر ہی کوئی تہذیب انسانیت کو سعادت و خوش بختی سے ہمکنار اور مصائب حیات سے نجات دلا سکتی ہے۔ تہذیبوں کا غیر جانبدارانہ تجزیہ بتاتا ہے کہ اس باب میں اسلامی تہذیب تمام تہذیبوں پر فوقیت رکھتی ہے اور اخلاق کے اس مقام پر فائز ہے کہ تاریخ کے کسی عہد میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور تنہا یہی وصف اسلامی تہذیب کو خلود بخشنے کے لیے کافی ہے کیونکہ تہذیب کا مقصد انسانیت کی سعادت کا ہر ممکن سامان فراہم کرنا ہے اور اسلامی تہذیب نے یہ کام احسن و اکمل طور پر انجام دیا ہے کہ شرق و غرب اور جنوب و شمال کی کوئی تہذیب، اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکی۔

اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی

اسلامی تہذیب آفاقی وغیرفانی تہذیب ہے۔اس کے اثرات کا مطالعہ کرنے والے کسی شخص کے لیے اس کی اس خصوصیت سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔جس میں کوئی دوسری تہذیب اس کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔وہ خصوصیت اس کی انسان دوستی وانسانیت نوازی ہے۔

تہذیب اسلامی نے نوع انسانیت کو نفرت، عداوت، بغض، کینہ اور تعصب سے نجات دلا کر اس کے اندر یہ احساس پیدا کیا کہ ان کی اصل ایک ہے، وہ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہیں اور جنسوں وقوموں کا تنوع محض باہمی تعارف اور تعاون علی الخیر کے لیے ہے۔(سورۃ الحجرات:۱۳)

حیات دنیا میں افراد کا ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا، ایک کا حکمراں اور دوسرے کا محکوم ہونا، رنگت میں فرق ہونا، قانون فطرت کے تحت ہے اور زندگی کا غیر متبدل نظام ہے۔اونچ نیچ اور امتیاز وتفریق کا سبب نہیں ہے۔اجتماعی ہیئت میں سب کا درجہ مساوی ویکساں ہے اور ایک دوسرے کا سہارا بن کر معاشرہ ایک ایک فرد کی خدمت سرانجام دیتا ہے اور یوں معاشرہ کی گاڑی چلتی ہے۔انسانی معاشرے کی مثال اس درخت کی مانند ہے جس کی شاخیں ہوا میں بلاتفریق ہلتی ہیں۔قرآن پاک کا کثرت سے یا ایھا الناس اور یا بنی آدم جیسے الفاظ سے انسانیت کو مخاطب کرنے کا مقصد ذہنوں میں وحدت انسانی کا احساس جاگزیں کرنا ہے۔

اسلام کے تہذیبی قوانین کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں مساوات انسانی ہر پہلو پر محیط ہے۔نماز میں سب خدا کے حضور ایک ہی حیثیت میں کھڑے ہوتے ہیں۔روزہ کی حالت میں سب یکساں طور پر بھوکے رہتے ہیں، حج بھی مساوات انسانی کا عظیم مظہر ہے۔سب ایک ہی لباس میں ایک ہی ہیئت میں مناسک حج ادا کرتے ہیں، کسی موقع پر عوام وخواص یا کسی دوسری طرح کا فرق وامتیاز نہیں ہوتا۔

اسلامی تہذیب کی رو سے قانون سازی کا اصل مقصود قیام عدل وانصاف ہے، اسلامی قانون ظلم کے ازالہ کا ذریعہ ہوتا ہے اور ہر طبقہ کے مظلوموں کے لیے آخری پناہ گاہ ہوتا ہے۔لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں امیر وغریب، ضعیف وقوی ہر شخص کے لیے یکساں سزا ہے۔قاتل واجب القصاص ہے۔چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا جو زیادتی کرے گا اس کی تادیب ہوگی۔اس میں عالم، جاہل، عربی، عجمی، مشرقی، مغربی، سیاہ، سفید کا کوئی امتیاز نہیں ہوگا۔(سورۃ البقرۃ:۱۷۸)

اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی اوانسان دوستی کا درجہ کمال یہ ہے کہ وہ انسان، حیوان، نباتات

وجمادات اورزمین وآسمان سب کواللہ کی عبودیت اورفطرت کے قانون کی اطاعت کی لڑی میں پرودیتا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو ہرنماز اورنماز کی ہررکعت میں نہایت پیار سے تلقین کرتا ہے کہ وہ اس کائنات کاایک جزوہے جورحمٰن ورحیم ہستی کی تخلیق ہےاورجس کی رحمت ہرچیزکومحیط اورسب کوشامل ہے (ورحمتی وسعت کل شیء)،جس کاصریح مطالبہ اورواضح تقاضاہے کہ جس کائنات میں وہ رہ رہاہےاورجس کا وہ ضرورت مند بھی ہے،اس کی رحمت کامظہر بنے۔

پھرتہذیب اسلامی کی انسانیت نوازی کے یہ مظاہر جو اس کے بنیادی تصورات میں کارفرماہیں ان کی حیثیت اقوام متحدہ کےانسانی حقوق کے چارٹر کی نہیں کہ جس کےاعلان/منظوری کے دن دنیا کی تمام حکومتیں جشن منالیں اوردنیا کی بڑی بڑی ریاستیں ہرسال کے ہرمہینہ میں بلکہ ہردن اور ہروقت اسے پامال کرتی رہیں۔نہیں بلکہ ان اصولوں کوعملاً منطبق کرکے دکھایا۔ جریدہ عالم پرتہذیب اسلامی کے حکام وافراد کےطرزعمل کےنمونے ثبت ہیں اورتاریخ کے سینہ میں ان کی سرگرمیاں آج بھی محفوظ شکل میں موجودہیں۔

پہلانمونہ: حضرت ابوذرغفاریؓ ایک معروف جلیل القدرصحابی ہیں،کسی بات پرحضرت بلال حبشیؓ سے ناراض ہوجاتے ہیں،غصہ میں حضرت بلالؓ کوابن السوداء(حبشی کے بیٹے)کہہ دیتے ہیں،حضرت بلالؓ حضورؐ سے شکایت کرتے ہیں، سنتے ہی آپؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوجاتا ہےاورفرماتے ہیں کہ تمہارے اندراب بھی جاہلیت کی رمق باقی ہے۔حضرت ابوذرؓ نادم وپشیمان ہوتے ہیں،توبہ کرتے ہیں اورحددرجہ ندامت اورکمال تواضع کے ساتھ حضرت بلالؓ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے چہرے کواپنے پاؤں سے روندد یں۔

دوسرانمونہ: عہدرسالت میں قریش کےقبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی،اسے سزاکے لیے دربار رسالت میں پیش کیا گیا۔قریش کو یہ بات شاق گزری،انہوں نے معافی کی سفارش کے لیے حضرت اسامہ بن زیدکوخدمت اقدس میں بھیجا۔حضرت اسامہؓ نے آپؐ سے بات کی۔جس پرنبی اکرمؐ سخت غضبناک ہوئے اورکہا:تم حدوداللہ کے سلسلہ میں سفارش کرنے آئے ہو،آپؐ نے لوگوں کوجمع کرکے ایک مثالی خطبہ ارشادفرمایا،کہا:”تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان کی نظرمیں چوری کرنے والا اگرشرفاء میں سے ہوتا تو چھوڑ دیاجاتا اوراگرکمزورطبقہ کا ہوتا توسزاپاتا،خدا کی قسم!اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تومیں اس کاہاتھ کاٹتا۔(بخاری،مسلم)

تیسرا نمونہ: ۲۱ر سال کی مسلسل کشمکش اور تعذیب کا نشانہ بنے رہنے کے بعد جب مکہ فتح ہوا اور ظلم کی ہر انتہا کو پار کرنے والے اہل مکہ جب مغلوب کی حیثیت سے سامنے آئے، اس وقت بھی رسول رحمتؐ نے دنیا کے عام فاتحین کے برخلاف انہی اصولوں کو پیش نظر رکھا جن کا اعلان آپؐ نے ۱۳ر سال تک مکہ کی گلیوں میں ننگے پاؤں پھر کر کیا اور دس سال تک ایک حکمراں کے طور پر مدینہ طیبہ میں کرتے رہے تھے۔ آپؐ نے کعبے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کیا: اے اہل قریش، آج اللہ نے تمہاری جاہلی نخوت اور تمہارے آبائی فخر ومباہات کا قلع قمع کر دیا۔ یاد رکھو! تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے، پھر آپؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات: ۱۳) اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اگر کوئی اور فاتح ہوتا تو ایک ایک سے اس کے ظلم کا انتقام لیتا۔ (علامہ شبلی، سیرۃ النبی ۱/ ۴۷۵)

عہد رسالت کے بعد خلافت راشدہ کے زریں عہد کا آغاز ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کا دل اور نفس انسانی ہمدردی سے بھرا ہوتا ہے۔ خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی آپؓ محلّہ کی ان بچیوں کی خبر گیری کرتے ہیں جن کے باپ جنگوں میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی بکریاں دوہتے ہیں اور کہتے ہیں: ''مجھے امید ہے کہ خلافت کی ذمہ داری مجھے اس حسن خلق سے نہ روک سکے گی جسے میں پہلے سرانجام دیتا تھا۔''

ایک مرتبہ مدینہ میں تاجروں کا ایک قافلہ آیا، حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت تھا، قافلہ میں بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ خلیفہ وقت نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ آج رات تم ان کی حفاظت کر سکتے ہو؟ چنانچہ دونوں نے رات بھر جاگ کر قافلہ کی نگرانی وحفاظت کی۔ اس دوران حضرت عمرؓ نے کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی، اس کے قریب گئے اور اس کی ماں سے کہا کہ خدا سے ڈر اور اپنے بچہ کی دیکھ بھال کر۔ پھر دوبارہ اس کے رونے کی آواز سنائی دی، آپ دوبارہ گئے اور ماں کو خیال رکھنے کی نصیحت کی، رات کا آخری حصہ آیا تو بچہ پھر رویا، آپ اس کی ماں کے پاس آئے اور کہا: تجھ پر افسوس ہے، تو تو بہت بری ماں معلوم ہوتی ہے۔ کیا بات ہے کہ یہ بچہ رات بھر آرام سے نہیں سویا۔ عورت نے کہا! خدا کے بندے تو رات سے میرے پیچھے پڑا ہے میں اس سے زبردستی دودھ چھڑانا چاہتی ہوں لیکن وہ نہیں چھوڑتا۔ حضرت عمرؓ کے وجہ دریافت کرنے پر اس نے کہا کیونکہ عمرؓ اس بچہ کا روزینہ مقرر کرتے

ہیں، جس نے دودھ چھوڑ دیا ہو، حضرت عمرؓ نے اس کی عمر پوچھی تو اس عورت نے چھ ماہ بتائی۔ آپؓ نے فرمایا کہ دودھ چھڑانے میں اتنی عجلت نہ کر، پھر آپؓ نے لوگوں کو فجر کی نماز اس حالت میں پڑھائی کہ شدت گریہ سے ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں، سلام پھیرنے کے بعد کہا: ہلاکت ہے عمر کے لیے جس نے مسلمانوں کے بچوں کو قتل کر دیا۔'' اور منادی کو حکم دیا کہ شہر میں اعلان کر دے کہ اب سے ہم پیدائش کے ساتھ ہی ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ چنانچہ اطراف مملکت میں اس کا اعلان کر دیا گیا۔ (مصطفیٰ سباعی۔ اسلامی تہذیب کے درخشاں پہلو، ترجمہ معروف شاہ شیرازی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۱ء، ص ۵۷۔)

اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی کا ایک نادر واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رات میں حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا۔ ہم نے دور سے آگ جلتی ہوئی دیکھی، تیز تیز قدموں سے ہم وہاں پہنچے، ہم نے دیکھا کہ ایک عورت کے پاس چند بچے بیٹھے رو رہے ہیں اور ہنڈیا چولہے پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے سلام کیا اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا: بھوک سے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اس ہنڈیا میں کیا ہے؟ عورت نے جواب دیا کہ اس میں محض پانی ہے جو بچوں کی تسلی کے لیے چڑھا دیا ہے تاکہ بچے خاموش ہو کر سو جائیں اور ہمارے اور عمر کے درمیان فیصلہ اللہ کرے گا۔ اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا، چلو، ہم وہاں سے بڑے تیزی کے ساتھ آئے۔ گودام سے حضرت عمرؓ نے آٹے کی بوری اور تیل کا ایک ڈبہ لیا اور کہا کہ یہ سامان میرے کندھے پر رکھ دو۔ میں نے کہا میں اٹھائے لیتا ہوں، انہوں نے غصہ سے جھڑک دیا اور فرمایا: ''کیا قیامت کے دن بھی تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے۔'' چنانچہ میں نے سامان ان کی پیٹھ پر لاد دیا، پھر ہم تیز تیز عورت کے پاس گئے، سامان عورت کے پاس رکھا اور آٹا نکال کر حضرت عمرؓ نے عورت سے کہا: تُو آٹا گوندھ، جب تک میں آگ تیز کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ کھانا تیار ہو گیا تو آپؓ نے عورت سے کہا: کچھ لاؤ، وہ ایک تھال لائی، حضرت عمرؓ نے اس میں کھانا انڈیل دیا اور عورت سے کہا کہ تو بچوں کو کھلا اور میں ہوا دے کر اسے ٹھنڈا کرتا ہوں۔ اس طرح وہ وہاں بیٹھے رہے تا آنکہ سب نے سیر ہو کر کھا پی لیا۔ جو باقی بچا اسے وہیں چھوڑ دیا، ہم دونوں اٹھے تو عورت نے کہا: ''اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ امیر المومنین سے بڑھ کر آپ اس منصب کے اہل ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے کہا: تم کلمہ خیر ہی زبان سے نکالو۔ کل جب تم امیر المومنین کے پاس آؤ گی تو مجھے وہاں موجود پاؤ گی۔ اس کے بعد ہم کچھ دور چلے اور پھر واپس آ کر ان کے پڑاؤ کے پاس چھپ کر بیٹھ

گئے۔ میں نے کہا: آپ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، ہم نے دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں، پھر وہ سو گئے، حضرت عمرؓ الحمدللہ کہتے ہوئے اٹھے اور کہا: ''اسلم بھوک نے انہیں پریشان کر رکھا تھا، جس کی وجہ سے وہ سو نہیں پا رہے تھے۔ میرے دل کو سکون نہ ملتا جب تک انہیں سکون کی حالت میں نہ دیکھ لیتا۔ اس لیے میں نے چھپ کر دیکھا کہ اب ان کا کیا حال ہے، تم نے بھی دیکھ لیا کہ اب وہ آرام سے سو گئے۔

انسانی ہمدردی اور انسان دوستی کا ایک عدیم المثال واقعہ یہ بھی ہے کہ اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمرؓ حسب معمول گشت کرتے ہوئے ایک دن مدینہ کے ایک محلّہ میں جا نکلے، اچانک ایک رونے کی آواز ان کے کان سے ٹکرائی۔ یہ آواز ایک خیمہ سے آ رہی تھی اور دروازہ پر ایک آدمی کھڑا تھا۔ حضرت عمرؓ قریب گئے اور پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا: میں ایک دیہاتی ہوں اور یہاں امیر المومنین سے امداد مانگنے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیسی ہے۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ وہ امیر المومنین ہی سے مخاطب ہے، اس نے کہا کہ اپنا راستہ لو۔ لایعنی باتیں نہ کرو۔ حضرت عمرؓ کے اصرار پر اس نے بتایا کہ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور اس کے پاس کوئی خاتون نہیں ہے۔ حضرت عمر اپنے گھر آئے اور اپنی بیوی سے کہا: کیا تمہیں اس ثواب سے دلچسپی ہے، جو اللہ نے بیٹھے بٹھائے تمہارے لیے مہیا کر دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے تفصیلات بتائیں اور کہا اپنے ساتھ نومولود کے لیے کپڑا وغیرہ اور زچہ کی تمام ضروریات لے لو اور ساتھ کھانے پینے کی چیزیں بھی۔ سب سامان لے کر حضرت عمرؓ گئے اور بیوی سے کہا تم خیمہ کے اندر چلی جاؤ، خود مرد کے ساتھ باہر بیٹھ کر وہ چیزیں پکانے لگے جو اپنے ساتھ لائے تھے۔ خیمہ کے اندر بچہ کی ولادت ہوئی، بیوی نے اندر سے آواز دی: امیر المومنین! اپنے بھائی کو بچہ کی خوشخبری دیجئے۔ جب آدمی نے یہ الفاظ سنے تو اسے معلوم ہوا کہ وہ دنیا کے عظیم انسان کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر رعب طاری ہوا اور حضرت عمر کے پاس سے سرکنے لگا۔ امیر المومنین نے کہا کہ اسی طرح بے تکلف بیٹھے رہو۔ خود کھانا پکایا اور بیوی سے کہا کہ زچہ کو کھلاؤ۔ جب وہ کھا چکی تو اس کے شوہر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: لو کھاؤ۔ تم نے پوری رات جاگ کر تکلیف میں گزاری ہے۔ چلتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا: کل ہم تمہاری ضروریات کی تکمیل کا سامان کر دیں گے۔ چنانچہ جب وہ آیا تو اس کے بچہ کا وظیفہ مقرر کیا اور اسے بھی خوب اچھی طرح نوازا۔

تاریخ انسانی کے عظیم ترین انسانوں کی سوانح حیات انسان دوستی کی ایسی مثالوں سے خالی ہیں۔

کون حکمراں گزرا ہے جو رات کو رعایا کے حالات معلوم کرنے نکلا ہو، جس کی بیوی جو ہماری زبان میں وقت کی ملکہ ہوتی ہے، اس نے دائی کا کردار ادا کیا ہو اور وہ خود باورچی بنا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس انسانی کی اس بلندی تک پورے کرۂ ارض میں آج تک کوئی رئیس سلطنت نہیں پہنچ سکا۔ اسلامی تہذیب کا کمال ہے کہ اس نے عمرؓ جیسے بادیہ نشین کو ایک ایسی شخصیت کے پیکر میں ڈھال دیا کہ آج بھی انسانی تاریخ کے عظیم لوگوں میں سب سے باعظمت مقام پر کھڑے ہیں۔

اسلامی تہذیب کی انسانیت نوازی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے بلاتفریق رنگ و نسل انسانوں کے درمیان حقیقی مساوات کی بنیادیں مضبوط کیں۔ مسلمانوں نے جب اپنے دورعروج میں مصر پر لشکر کشی کی اور وہ مصر کے اندر دور تک بڑھتے گئے تو مقوقس مصر نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مسلمان اپنا وفد بھیجیں اور بتائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ اسلامی لشکر کے سالار حضرت عمرو بن العاص نے دس آدمیوں کا وفد مقوقس کے دربار میں بھیجا۔ حضرت عبادہ بن صامت کو وفد کا امیر مقرر کیا اور انہی کو مقوقس سے گفتگو کرنے کا مجاز ٹھہرایا گیا۔ حضرت عبادہ سیاہ رنگ کے طویل القامت انسان تھے۔ چنانچہ جب یہ وفد مقوقس کے دربار میں پہنچا اور حضرت عبادہ آگے بڑھے تو ان کی شکل وشباہت اور قامت دیکھ کر مقوقس پر عجیب ہیبت طاری ہوئی۔ اس نے وفد سے کہا: ''خدارا! اس سیاہ فام کو مجھ سے دور ہی رکھو اور گفتگو کے لیے کسی دوسرے فرد کو بھیجو۔'' ارکان وفد نے کہا یہ علم وفہم اور بصیرت میں ہم میں سب سے افضل ہیں۔ یہ ہمارے قائد وسربراہ ہیں۔ ہم ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے امیر نے انہیں مخصوص ہدایات دی ہیں اور ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہم ان کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اس نے حیرت سے کہا: تم لوگ اس پر کس طرح راضی ہو گئے کہ ایک سیاہ فام تمہارا سربراہ ہو حالانکہ اسے تمہارا ماتحت ہونا چاہیے۔ وفد نے جواب دیا: بھلا یہ کیونکر ممکن ہے جبکہ یہ علم وشرف کے لحاظ سے بھی ہم سب میں افضل ہیں اور رائے وبصیرت میں بھی ہم سے فائق ہیں۔ جہاں تک سیاہ فام ہونے کا تعلق ہے تو یہ ہمارے یہاں کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تہذیب میں انسان کا مقام کتنا بلند ہے کہ جب دنیا سیاہ فام کو عیب تصور کرتی تھی اور انہیں انسانوں میں شمار کرنے ہی کو تیار نہیں تھی اس وقت اس تہذیب نے ان باطل معیاروں کا قلع قمع کیا اور سب کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع فراہم کیے۔

عہد بنوعباس کے خلیفہ عبدالملک بن مروان کا معمول تھا کہ موسم حج میں سرکاری اعلان کرا دیتے تھے کہ عطا ابن ابی رباح کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے کیونکہ وہ اہل مکہ کے امام وفقیہ تھے۔ یہ حضرت عطا کون

تھے؟ ایک سیاہ فام، چپٹی ناک اور گھنگرالے بالوں والے ایک لنگڑے انسان۔ اسلامی تہذیب نے انہیں امام کا درجہ دیا، ان کی ذات بجائے خود ایک مدرسہ فکر بنی اور ہزاروں سفید رنگ کے علماء وفضلاء ان سے فیضیاب ہوئے۔

اس کے علاوہ بھی اس تہذیب نے بہت سے سیاہ فاموں کو ان کے کارناموں کی بنا پر بقائے دوام سے ہمکنار کیا ہے۔ گویا اسلامی تہذیب کی نظر میں اصل قیمت انسانیت کی ہے، وہ تمام انسانوں کو حق اور خیر کے معیار سے دیکھتی ہے۔ اس کی نگاہ میں جسم کی سیاہی وسفیدی کا اعتبار نہیں بلکہ اعمال کی سیاہی اور سفیدی کو اعتبار حاصل ہے۔

یہ سچ ہے کہ گزشتہ کچھ سالوں سے دنیا اس حقیقت کو اصولی طور پر تسلیم کرنے لگی ہے کہ انسانی طبقوں کے درمیان محض رنگ ونسل کی بنیاد پر فرق کرنا ایک احمقانہ فعل ہے۔ لیکن عملاً اس دور ترقی میں اقوام متحدہ کی تشکیل اور بنیادی حقوق کے چارٹر کی منظوری کے باوجود یہ تفریق نہ صرف باقی ہے بلکہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ خود امریکہ میں جو انسانی حقوق اور مساوات انسانی کا سب سے بڑا علم بردار ہے اور دنیا کا سب سے تہذیب یافتہ براعظم ہونے کا مدعی ہے اور جہاں پہنچتے ہی باہر سے آنے والے ہر شخص کو اس کے سب سے بڑے شہر کی بندگاہ پر ایک مجسمہ نظر آتا ہے، اس مجسمہ کے نیچے یہ الفاظ کندہ ہیں: ''اپنے بے کس، مصیبت زدہ اور غلام عوام کو ہمارے حوالہ کردو تا کہ وہ آزادی کی زندگی بسر کرسکیں۔ وہ لوگ جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور جن کا کوئی وطن نہیں، اس کے لیے میں حاضر ہوں اور سنہری دروازے پر مشعل لیے کھڑا ہوں۔'' انسانی حریت وآزادی کے اس دعوے دار ملک میں بھی سیافاموں پر مظالم ہورہے ہیں بلکہ سب سے زیادہ یہیں ہورہے ہیں۔ یہ انسانی تاریخ کا بدترین جرم ہے اور اس قوم کو خود اپنے اس جرم کا اعتراف ہے۔ چنانچہ امریکی سینٹ کے ایک ممبر جیمز کے بقول: ''کسی سیاہ فام کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ سیاسی مساوات کا خیال بھی ذہن میں لائے جیسا کہ جنوبی ریاستوں میں ہورہا ہے۔ یہ ملک سفید فاموں کا ہے اور اسی حالت میں رہے گا۔'' (اسلامی تہذیب، ص: ۷۰)

اس امر کی مزید شہادت کے لیے امریکی مصنف ہیری ہائی ورڈ کی کتاب 'حبشیوں کی آزادی' کا یہ اقتباس بڑا ہی چشم کشا ہے، جو اس آزادی کی حقیقت کا عکاس ہے جس کا امریکہ دعویدار ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ سوائے جنوبی افریقہ کے نسلی بنیادوں پر کسی قوم کو غلام سمجھ کر ذلیل نہیں کیا گیا جتنا ہمارے ملک میں حبشیوں کو کیا گیا ہے۔ اگر چہ غلامی اپنے معروف معنی میں ختم ہوچکی ہے لیکن طبقاتی نظام

کی کارفرمائی کی بنا پر وہ آج بھی موجود ہے اور آج غلامی کی شکل یہ ہے کہ گوروں کے لیے تو خوشگوار زندگی بسر کرنے کے سارے لوازمات موجود ہیں اور سیاہ فام آبادیوں کو ان سے پست تر درجہ میں رکھا گیا ہے اور اس پالیسی کے استحکام کے لیے مختلف ذرائع سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات قتل اور ہلاکت کی صورت میں اس پالیسی کا نفاذ ہوتا ہے۔ تو کبھی ظالمانہ اور غیر منصفانہ قانون واحکام کی شکل میں اور کبھی ایسے رسم ورواج کی شکل میں جس کے حق میں خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔'' (ایضا، ص:۷۳)

ایک اور امریکی دانشور لی موز کہتے ہیں:

''امریکہ کا اقوام عالم میں اس لحاظ سے شہرہ ہے کہ اس کا طرہ امتیاز 'تمثال حریت' ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ملک میں آنے والے اور پناہ لینے والے کو خوش آمدید کہا جائے۔ خواہ وہ ظلم وستم کی سختیوں سے بھاگ کر آیا ہو یا مظالم ومصائب سے بچنا چاہتا ہو۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ جب سے آزادی کا یہ مجسمہ نصب ہوا ہے، امریکہ سے آزادی اور مساوات کے یہ معنی ہی ختم ہو گئے۔'' (ایضا، ص:۷۴)

اس کے مقابلہ میں اسلامی تہذیب نے حبشیوں (سیاہ فام) کے ساتھ جو سلوک کیا وہ یہ ہے کہ آج سے کوئی ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک سیاہ فام یتیم لڑکی نے اپنے وقت کے حکمراں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ میرے گھر کی دیوار چھوٹی ہے، لوگ اس سے داخل ہو کر میری مرغیاں چرا لے جاتے ہیں۔ جواب میں خلیفۂ عادل نے مصر کے گورنر ایوب بن شرحبیل کو لکھا: ''فرقونہ ذی اصبح کی آزاد کردہ لونڈی نے مجھے لکھا ہے کہ اس کے صحن کی دیوار نیچی ہے اور رات کو چور گھس کر اس کی مرغیاں چرا لیتے ہیں۔ وہ چاہتی ہے اس کو اونچا کر دیا جائے۔ لہٰذا میرا یہ مکتوب پاتے ہی تم خود سواری کسوا کر روانہ ہو جاؤ۔ اپنے سامنے اس کی دیوار بلند اور مضبوط کراؤ۔'' چنانچہ جب ان کو یہ خط ملا تو فوراً مکان کی تلاش میں نکل پڑے، اور اپنی موجودگی میں امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کی۔

شہر حیرت کا شاہزادہ

عزیز نبیلؔ

سید راشد حامدی فلاحی، موبائیل نمبر:9811126467

خواب سب دیکھتے ہیں، کچھ شرمندۂ تعبیر ہوجاتے ہیں اور کچھ شکوۂ کاتبِ تقدیر۔ بعض لوگ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتے ہیں اور بعض سوتی آنکھوں سے، لیکن ہر ایک کے خوابوں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ کچھ خواب جذبۂ عمل کو مہمیز کرتے ہیں جبکہ کچھ خواب انسان کو مزید خوابیدہ کردیتے ہیں۔

خواب سدا سے شعراء کا پسندیدہ موضوعِ سخن رہا ہے لیکن عزیز نبیلؔ کے یہاں خواب شاعری کا ایک اہم استعارہ ہے۔ انھوں نے صرف خواب ہی نہیں دیکھے بلکہ وہ اپنے خوابوں کے تعاقب میں دور بہت دور ''خواب سمندر'' تک جا پہنچے ہیں جس کی یافت میں انھوں نے شعور و لاشعور کا ایک جاں گسل ہفت خواں طے کیا ہے۔ زمان و مکان کے فاصلوں کو عبور کرتے ہوئے خوابوں کے اس طویل سفر میں وہ جن حسّیاتی، مشاہداتی اور تجرباتی مراحل سے گزرے ہیں وہ انتہائی استعجابی کیفیات کے حامل ہیں مگر یہ عمل خود ان کے لیے حیرت کا باعث نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

جس طرف چاہوں پہنچ جاؤں مسافت کیسی
میں تو آواز ہوں آواز کی ہجرت کیسی

''خواب سمندر'' دراصل عزیز نبیلؔ کی ذات اور حیات و کائنات کے مابین پائے جانے والے نادیدہ اور نا آفریدہ جہانوں، خواب آلود جزیروں اور گماں آباد منطقوں کی حسّیاتی تلاش و جستجو کی منطقی اور معنی خیز دریافت ہے۔

زمین رُک کے چل پڑی، چراغ بجھ کے جل اٹھے
کہ جب ادھورے خوابوں کا حساب لکھ رہے تھے ہم

''خواب سمندر'' صرف ادھورے خوابوں اور خواہشوں کے حساب کتاب اور اندوختہ کا بہی کھاتا نہیں ہے بلکہ وہ ان کے شعور و لاشعور میں ابھرنے والے حوصلوں، امنگوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا خوب صورت اور دلکش اظہار ہے۔ ان کے خواب محض خواب نہیں بلکہ وہ تعمیری و تخلیقی عزائم ہیں جو بسا اوقات ان کے لیے عذابِ جاں بن جاتے ہیں۔

عذابِ خواہشِ تعمیر لے کے اترا ہے
وہ میرے خواب میں تعبیر لے کے اترا ہے

....

آنکھوں کی کائنات میں خوابوں کا اک ہجوم
تعبیر کی تلاش میں سویا نہیں کبھی

''خواب سمندر'' کی تفہیم کے لیے جدید شعری منظر نامے کی تفہیم ضروری ہے۔ جدید شعری منظر نامے سے میری مراد معاف کیجیے گا جدیدیت اور مابعد جدیدیت نہیں ہے۔ عزیز نبیل کا شعری صحیفہ ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی فکری آلائشوں سے پاک اور منزّہ ہے۔

بیسویں صدی کے چھٹے دہے سے عہد کے تازہ منظر نامے تک کم و بیش چھ دہوں پر محیط اردو کا شعری صحیفہ نو بہ نو تبدیلیوں اور خوشگوار تغیرات کی بشارتیں لے کر ایک تسلسل کے ساتھ نازل ہو رہا ہے۔ حالانکہ اردو کی شعری روایات میں ہر دور کے تہذیبی، ثقافتی اور فکری عکس موجود ہیں مگر بیسویں صدی کے وسط میں صنعتی انقلاب کی چکا چوندھ، فرد اور کائنات کے درمیان نمو پذیر نئے رشتوں کے اجالوں اور نئی پرانی تہذیب کے اختلاط سے دامن عصر میں پھیلنے والی دھوپ کے نتیجہ میں غزل نے بھی ایک نئی کروٹ لینی شروع کی لیکن یہ غزل کا اچھوتا اور غیر متوقع عمل نہیں تھا۔ اس سے قبل بھی غزل نئے فکر و فلسفے کو اپنے دامن میں جگہ دیتی رہی ہے۔ میں جدید شعری منظر نامے کو روایت کی تجدید یا اس کی دریافت نو سے تعبیر کرتا ہوں۔ ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے اس دریافت نو کا سہرا اپنے سر باندھنے کی جی توڑ کوشش کی مگر غزل اور مزاج شناس غزل نے کمزور بنیادوں پر تعمیر خوب صورت اور دل فریب عمارتوں کا مکیں بننے سے انکار کر دیا۔ غزل دشت و جبل میں خیمے لگانے کا ہنر جانتی ہے۔ اسے مصلحت پرستوں سے مصالحت پسند ہے نہ مصنوعی اور جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ غزل کو بہر صورت کھرا اور اپنے پیروں پر کھڑا آدمی درکار ہے۔ خواہ وہ مظفر حنفی ہوں یا شہپر

رسول، جاں نثار اختر ہوں یا غلام مرتضیٰ راہی، معین شاداب ہوں یا عزیز نبیل۔

یہ نام میں نے یوں ہی رواروی میں نہیں لیے ہیں بلکہ میں نے ان سب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ جدید شعری منظر نامے میں یہ نام روشنی اور اجالے کا استعارہ ہیں۔ اور جہاں تک عزیز نبیل کا تعلق ہے میرا تجزیہ ہے کہ ان کا لہجہ مختلف ہوسکتا ہے، مضامین و مفاہیم جدا ہوسکتے ہیں مگر سوچنے اور بات سے بات نکالنے کا ہنر ایک جیسا ہے۔ سردست یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں مختصراً عرض کرتا چلوں مظفر حنفی فرماتے ہیں۔

زمین گھومتی رہتی ہے اپنے محور پر
میں بن چکا ہوں مجھے چاک سے اتارا جائے

عزیز نبیل کہتے ہیں۔

اب ہمیں چاک پہ رکھ یا خس و خاشاک سمجھ
کوزہ گر ہم تری آواز پہ آئے ہوئے ہیں

جاں نثار اختر فرماتے ہیں۔

اسی سبب سے ہیں شاید عذاب جتنے ہیں
جھٹک کے پھینک دو پلکوں پہ خواب جتنے ہیں

عزیز نبیل کہتے ہیں۔

خواب آنکھوں میں چبھ رہے ہیں نبیلؔ
سو یہ آنکھیں بدل رہا ہوں میں

غور کیجیے عصری کرب کی شدت، عصری حسیت اور تخلیقی اظہار کی حدت میں عزیز نبیل کہیں بھی کم نظر نہیں آتے بلکہ ان کے یہاں اس کی آنچ کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے۔ ان کے لاشعور کا میکانکی عمل انھیں خوابوں کی چبھن سے نکالنے کے لیے آنکھیں بدلنے کی ترغیب دلاتا ہے جسے تکلیف مالا یطاق کہہ کر نظرانداز کرنا دراصل انسانی خوابوں کی بے وقعتی پر دلالت کرتا ہے۔ آنکھیں بدلنا عام طور پر بے وفائی اور بے مروتی کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہاں آنکھیں بدلنا عزیز نبیل کا دنیا بدل دینے کے عزم کا ایک نیا استعارہ ہے۔ اس قسم کے استعاروں کی تخلیق اور محاوروں کی معنیاتی توسیع نیز مروجہ مفہوم سے ہٹ کر نئے مفاہیم و معانی کی تلاش درحقیقت اسی بے نام جستجو کی تلاش

سے عبارت ہے جو انسان کو تقدیر کے مقابلے میں تدبیر پر مجبور کرتی ہے۔

عزیز نبیل کو پڑھتے وقت بارہا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لاشعور میں پیغمبرانہ فرائض زندہ اور متحرک ہیں جو انہیں الہامی کیفیات سے دوچار رکھتے ہیں۔ان کے فکری زاویے مستعار ہیں نہ مستفاد بلکہ ان کا انسلاک براہ راست اس سرچشمہ سے معلوم ہوتا ہے جہاں سے تخلیقیت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور زندگی کے نئے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

عزیز نبیلؔ کی سوچ ہی نہیں، ان کے الفاظ، استعارے، تلمیحات بلکہ ان کی تراکیب میں بھی ایک جاذب نظر انفراد نظر آتا ہے جو انہیں اپنے ہم عصر شعراء میں امتیاز عطا کرتا ہے۔ان کے یہاں روایتی تلازمے ذرا سی تقلیب الفاظ سے ایک نئے جہانِ معانی کی تعمیر کرتے نظر آتے ہیں اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ ان کے شعری رویے روایت سے انحراف یا بغاوت کی راہ پر چل پڑے ہیں۔ہاں یہ سچ ہے کہ انہوں نے صدیوں کی پروردہ غزل کے روایتی معنیاتی اور لفظیاتی نظام کو نئے دردبست عطا کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔مگر ایسا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب تخلیق کار ماضی کی تلمیحات، روایتی استعارات اور تہذیبی وتاریخی حصار میں قید الفاظ کے معنیاتی پس منظر کو جانتا ہو اور اسے حال و مستقبل کے آئینے میں دیکھنے کی قدرت رکھتا ہو۔وہ اپنے شعری تلازموں میں شخصی طور پر ملوث نہ ہو کر بھی ذہنی اور جذباتی طور پر ان سے جڑا ہوا ہو۔

یہ قدرت اور خاصیت عزیز نبیل کو حاصل ہے اور یہی خاصیت یا خصوصیت عزیز نبیل کے شعری انفراد کو مستحکم کرتی ہے۔حسن، عشق، جنوں، دشت وصحرا، سفر، دردیوار، ہجر و وصال، خواب، تعبیر، چراغ، روشنی، تاریکی اور اس قسم کے دیگر اردو کے روایتی شعری الفاظ اور لازوال صداقتیں ان کے شعری کینواس پر نئی معنویتوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔انہوں نے عہد کے تازہ منظر نامے میں نئے مفاہیم کے لیے نئے تلازمات کی پیکر تراشی بھی کی ہے اور قدیم تلازمات کے لیے نئے مفاہیم اور ان کی فکری و معنوی جہات کے لیے جواز بھی فراہم کیا ہے۔

تمام شہر کو تاریکیوں سے شکوہ ہے
مگر چراغ کی بیعت سے خوف آتا ہے

اس شعر میں عزیز نبیلؔ نے جس خوبصورتی کے ساتھ فرد اور معاشرے کی بے عملی کو اجاگر کیا ہے اور تاریکیوں کے خلاف کمربستہ ہونے کے لیے روشنی کی علامت چراغ کی بیعت کی دعوت جس ہنروری

کے ساتھ دی ہے اس نے عمل کے جمالیاتی احساس کو تمام تہذیبی و تاریخی پس منظر کے ساتھ اجاگر کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عزیز نبیل کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف کے لیے تنہا یہ شعر ہی کافی ہے۔ شعر کا مضمون و مفہوم نیا نہیں ہے مگر لفظ بیعت کی ضرب کاری نے قدیم مفاہیم کی عمارت کو یکلخت زمین بوس کر دیا اور اس کی بنیادوں پر ایک نیا دروبست نئی جلوہ آرائیوں کے ساتھ اپنا وجود منواتا نظر آتا ہے۔ یہ خیال عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ زبانوں کی پشت پر تہذیبوں کا ہاتھ ہوتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ الفاظ بھی اپنا ایک تہذیبی و تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ لفظ بیعت کے اسلامی تہذیبی و تاریخی پس منظر نے شعر کو جاوداں کر دیا ہے میں اسے اردو کی غزلیہ تاریخ میں ایک قابل قدر اضافہ قرار دیتا ہوں۔

عزیز نبیلؔ کے تخلیقی اظہار میں ایسے الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو اردو کی قدیم و جدید غزلیہ تاریخ میں کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں مگر وہ ان کا استعمال اس ہنروری اور چابک دستی کے ساتھ کرتے ہیں کہ وہ نامانوس ہوتے ہوئے بھی نامانوس نہیں لگتے، بجھتے ہوئے لفظوں کے آفتاب اور ماند پڑے تاریخی استعارات وتلمیحات ان کے شعری صحیفے میں پھر سے روشن ہو اٹھتے ہیں۔

در د اشعار کے معبد میں جواں ہونے لگا
جو زمیں دوز خزانہ تھا عیاں ہونے لگا

خوابوں کے الاؤ ہوں یا اُمنگوں کے دہکتے انگارے عزیز نبیلؔ کے شعری پیکر میں حدت اور روشنی کا استعارہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ پچھلے پہر کے چاند کا روزن ہو یا آفتاب نصف النہار کا کھلا دروازہ، آفریدہ جہانوں کی گزرگاہیں ہوں یا ناآفریدہ کائنات کی شہر پناہیں، دشتِ تمنا کا گونجتا سناٹا ہو یا کوچۂ دلدار کا جاگتا ہنگامہ، خلائے بسیط کی بے کرانیاں ہوں یا درونِ ذات کی پہنائیاں انہیں اپنے قدموں کی چاپیں ہر جگہ سنائی دیتی ہیں۔ ان کی سوچیں لفظوں کے تنفس سے ہم آہنگ ہو کر ایک نیا دیپک راگ ایجاد کرتی ہیں جس سے قاری کی آنکھوں میں تحیر اور استعجاب کے دیپ جل اٹھتے ہیں۔ وہ اگر اس کے لیے داد کے طالب ہیں تو انھیں داد ملنی ہی چاہیے۔

پڑھ لیتی ہیں لفظوں کا تنفس مری سوچیں
کچھ داد تو دی جائے مری دیدہ وری کی
میں وہ کہ ہوں صدیوں کی مسافت کا مسافر
ہر لمحے کی آہٹ نے مری ہم سفری کی

یہ سچ ہے کہ شاعری کی منطق عام منطق سے الگ ہوتی ہے اور شاعر کا زاویۂ نگاہ عام لوگوں کے زاویے سے تھوڑا مختلف ہوتا ہے لیکن عزیز نبیل کی شاعری میں یہ حقیقت کچھ زیادہ ہی کھلے سر نظر آتی ہے بلکہ وہ شاعری کی عمومی منطق سے بھی کچھ الگ اور منفرد نظر آتی ہے لیکن ان کی شاعری کسی معمہ گو کی ذہنی اٹکلیں، عقلی گدے اور انفرادیت کے پھیر میں فکری قلابازیاں نہیں ہیں بلکہ خواب سمندر کی خاموش سطح کے باطن میں ایسی زیریں لہریں موجود ہیں اور ایسے اعماق پوشیدہ ہیں جنہیں صرف وہی شخص محسوس کرسکتا ہے جس کا فکری کینوا‎س ہی نہیں اس کی حسیات بھی زندہ اور توانا ہوں۔

عزیز نبیلؔ کے تخلیقی سروکار ترقی پسندی کی اشتہاریت، جدیدیت کی بے سروپائیت اور مابعد جدیدیت کی پراسراریت سے وابستہ ہیں نہ ان کے فکری لزوم غیر ملکی درآمد شدہ افکار ونظریات سے منسلک ہیں۔ انھوں نے روایت کی پاسداری اور عہد کے سماجی تناظر کی شناخت کے لیے نئے فکری ساخت کی پرواخت میں ایسے تخلیقی آیام دریافت کیے ہیں جس نے اردو ادب کے روایتی بازار عکاظ کو ہی متحیر نہیں کیا بلکہ ادب کے عالمی اسٹاک اکسچینج کے گراف کو بھی اوپر کی جانب اچھال دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو میری یہ بات قبل از وقت معلوم ہو مگر کل کا ناقد حسب گروہی حصار بندیوں سے باہر نکلے گا تو وہ یقیناً میری اس بات کی تصدیق کرے گا۔

ذات اور حیات وکائنات کے درمیان نئے رشتوں کی جاذبیت، نئی فکر کی تازگی اور نئے احساس و شعور کی دلکشی ''خواب سمندر'' میں مصدقہ شناخت کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ فکر وخیال کی آوارگی اور بے جہت روانگی کی نفی عزیز نبیلؔ کی شعری شناخت کی بنیاد ہے جس نے نئی سوچ کے بے شمار روزن وا کیے ہیں۔ ان کا شعری وجدان وارث علوی کے تنقیدی شعور کو شکست دیتا نظر آتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اردو شاعری مذہبی صحیفہ یا اشرف علی تھانوی کا بہشتی زیور نہیں ہے لیکن وہ قدریں جسے انسانی قدریں یا میراثِ آدم کہہ کر مذہب سے منھ موڑنے کی سعی کی جاتی ہے وہ سب مذہب کی دین ہیں۔ مذہب کی نفی دراصل انسانیت کی نفی ہے۔ مگر یہ سامنے کی چیز وارث علوی کو نظر آتی ہے نہ گوپی چند نارنگ کو۔ کچھ نیا کہنے کا خبط بعض اوقات انسان کو سرسامی کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور وہ ہذیان بکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مذہبی قدریں ہوں یا شعری روایتیں مٹی کا ڈھیلا نہیں ہیں کہ پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں اس سے طہارت حاصل کی اور اسے ایک جانب اچھال دیا بلکہ یہ وہ آفاقی سچائیاں ہیں جن کو بروئے کار لاکر انسان مسجودِ ملائک قرار پاتا ہے بے قید آزادی سوچ اور فکر میں ہو یا عمل میں، شعر وادب میں ہو یا دیگر فنونِ

لطیفہ میں ہر دور میں قابلِ مذمت رہی ہے۔عزیز نبیلؔ کھلی اور مشاہداتی آنکھیں اور بیدار ذہن ضرور رکھتے ہیں مگر ان کے فکری قدوم وہاں قدم رکھنے کی جسارت نہیں کرتے جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔عزیز نبیلؔ مذہبی قدروں کے داعی تو نہیں ہیں مگر مذہبی قدروں کی نفی بھی ان کے دستور العمل میں شامل نہیں ہے۔لیکن ادبی روایات اور ادبی ورثے کی حفاظت کی ذمہ داری انہوں نے اس طور پر نبھائی ہے کہ اسے اس کی بنیادوں پر نئی جہات دینے کی کوشش کی ہے مگر ان کا شعری وجدان اور جمالیاتی احساس انہیں اس سے انحراف اور بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔شعری روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے اپنی ڈگر خود نکالی ہے۔اپنے نقوشِ قدم سے اپنے سنگ میل خود نصب کیے ہیں۔اپنے شعری سفر میں انہیں اپنے سایے کی ہم سفری بھی قبول نہیں، نہ انھیں قافلے سے بچھڑنے کا کوئی ملال ہے۔بلکہ وہ اس پر بجا طور پر فخر کرتے ہیں کہ اس میں بھی ان کا انفراد جھانکتا نظر آتا ہے ؎

ہم قافلے سے بچھڑے ہوئے ہیں مگر نبیلؔ
اک راستہ الگ سے نکالے ہوئے تو ہیں

عزیز نبیل کے شعری صحیفہ کی تلاوت اگر ترتیل سے کی جائے تو روح و وجدان پر ایک ایسی نشاط انگیز سرشاری طاری ہوتی ہے جو قاری اور سامع کو روایت اور جدیدیت کی مصنوعی کششِ ثقل سے نکال کر ایک ایسی فضائے بسیط میں لے جاتی ہے جہاں اسے اپنا وجود سبک اور زمان و مکان کی قید سے آزاد محسوس ہوتا ہے اور اس پر ایسے اسرار منکشف ہوتے ہیں جن کا تعلق جہانِ محسوس اور جہانِ نامحسوس دونوں سے یکساں نظر آتا ہے۔ان کی سماعت اتنی تیز ہے کہ بادِ صرصر کا نوحہ ہو یا بادِ نسیم کا قہقہہ انہیں صاف سنائی دیتا ہے۔وہ سبز رتوں کے انتظار میں وقت گزارنے کے بجائے زرد رتوں کے برگ و ثمر سے ہی خوشبو کشید کر لیتے ہیں۔چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

وہ شہرِ حیرت کا شاہزادہ، گرفتِ ادراک میں نہیں ہے
اُس ایک چہرے کی حیرتوں میں ہزار آنکھیں سما چکی ہیں

....

دھوئیں کے بادل چھٹے تو ہم نے نبیلؔ دیکھا عجیب منظر
خموشیوں کی سلگتی چیخیں فضا کا سینہ جلا چکی ہیں

....

نہ جانے کس کے قدم چومنے کی حسرت میں
تمام راستے دل کی طرح دھڑک رہے تھے

....

یہ دریا کچھ زیادہ ہنس رہا ہے
اسے صحرا کی جانب موڑ دوں کیا

....

قلم ہے ہاتھ میں کردار بھی مرے بس میں
اگر میں چاہوں کہانی بدل بھی سکتا ہوں

....

ہم نہیں اتنے تہی چشم کہ رو بھی نہ سکیں
چند آنسو ابھی آنکھوں میں بچائے ہوئے ہیں

....

عادتاً سلجھا رہا تھا گتھّیاں کل رات مَیں
دل پریشاں تھا بہت اور مسئلہ کوئی نہ تھا

دو خطوط

ذیل میں ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ کے دو خطوط کو شامل اشاعت کیا جارہا ہے، یہ خطوط موصوف نے جناب مولانا محمد فاروق خاں صاحب (مترجم قرآن مجید بزبان ہندی) کے نام تحریر کیے تھے۔توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔(**مدیر**)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بعافیت ہوں گے۔

تفسیر سورۃ الاعلیٰ کا ترجمہ موصول ہوا۔اس خصوصی کرم کے لیے ہم سب آپ کے بے حد شکر گزار ہیں۔اہل علم کے لیے یہ ایک نادر تحفہ ہوگا۔ہمیں امید ہے کہ ادارہ علوم القرآن کے ساتھ آپ کی عنایات کا سلسلہ جاری رہے گا اور علوم القرآن کے قارئین کو آپ کی تحریروں سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہے گا۔

تفسیر سورۃ الاعلیٰ کے سلسلہ میں دو گزارشیں ہیں، امید ہے آپ قبول فرمائیں گے۔پہلی تو یہ کہ آپ ایک مختصر نوٹ اس کے مخطوطہ کے سلسلہ میں تحریر فرمادیں جو ہم تفسیر کے شروع میں دیں گے اور دوسرے یہ کہ اگر ممکن ہو اور کوئی خاص مانع نہ ہو تو اس کی ایک زیراکس کاپی ادارے کو عنایت فرمائیں۔ یقین فرمائیں ہم اسے بڑی حفاظت سے رکھیں گے۔

یہاں جملہ احباب سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام

۱۵؍مارچ ۱۹۸۷ء اشتیاق احمد ظلی

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

علوم القرآن کے نئے شمارے کی کتابت شروع ہوچکی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اپنا مقالہ ''نظم قرآن اور ارتباط حیوی'' عنایت فرمائیں، تاکہ اس شمارے میں اسے شامل اشاعت کیا جاسکے۔ بعض آنے جانے والوں سے درخواست کی تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مقالہ کے لیے درخواست کریں لیکن وہ کسی باعث ملاقات نہ کرسکے۔کوئی معتمد آدمی مل جائے تو دستی ورنہ بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیں۔ بڑی عنایت ہوگی اور ہماری حوصلہ افزائی۔

جملہ احبابِ ادارہ سلام عرض کرتے ہیں۔ مقالہ کا انتظار رہے گا۔

والسلام

۱۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء

طالب دعا

اشتیاق احمد ظلی

نعت رسول ﷺ

دستورِ زندگی ہمیں قرآن سے ملا
قرآنِ حق، پیمبر ذی شان سے ملا
رشدوہدیٰ کا سلسلہ نبیوں سے ہے جڑا
گمراہیوں کا سلسلہ شیطان سے ملا
اللہ ہی ہے سارے جہاں کا الہ ورب
ایسا پیام وادئ فاران سے ملا
تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی کائنات کو
''عرفان حق، پیمبر ذی شان سے ملا''
دنیا ہی میں صحابہ کو مژدہ بہشت کا
قربانیوں کے صدقے میں رحمٰن سے ملا
جو شترباں تھے ہوگئے دنیا کے رہنما
یہ رتبۂ بلند انہیں قرآن سے ملا
اصحاب کو یہ بے پناہ جوش وولولہ
اللہ کے رسول کے فیضان سے ملا
امن وسکوں جہاں میں نبیؐ کا ہی فیض ہے
ان دہشتوں کا سلسلہ شیطان سے ملا
لوح وقلم حضور کے شیدائیوں کے ہیں
عارفؔ یہ راز بدر کے میدان سے ملا

احسان الحق عارفؔ آئمی

غزل

امن کی فاختہ، پروں کے زخم
بے بسی دیکھ زرگروں کے زخم

راہ حق ، خون ، وادئ طائف
پاک نعلین ، پتھروں کے زخم

عجز موسیٰ ، رعونت فرعون
بھولیے مت سمندروں کے زخم

سرخ کونپل ہے پھر نوید بہار
ہنس رہے ہیں قلندروں کے زخم

فاقہ مستو ! تمہیں نہیں معلوم
ان ندیدے تونگروں کے زخم

گھاؤ اب بھی ہرے ہیں طعنوں کے
بھر گئے سارے خنجروں کے زخم

بادبانوں سے پوچھ لیتی ہے
میری کشتی سمندروں کے زخم

گھر کے گھر بے چراغ ہیں بزمی
کون جانے یہاں گھروں کے زخم

سرفراز بزمی فلاحی،
سوائے مادھوپور، راجستھان

غزل

کیا سرِ چشم رکھا جائے نظارہ کوئی
اور منظور نہیں ہم کو خسارہ کوئی

پھر کوئی ہاتھ نکل آیا سرِ آب رواں
پھر مری موج کو حاصل تھا شرارہ کوئی

خاک آمادہ ہی رہتی ہے پئے رقصِ نمو
کب صف ابر سے ہوجائے اشارہ کوئی

کب سے بیٹھے ہیں حرا کر کے خموشی اپنی
ہم پہ بھی اترے صداؤں کا سپارہ کوئی

روشنی دوڑ اٹھی تھی مری شریانوں میں
آنکھ کی جھیل میں ابھرا تھا ستارہ کوئی

میں نے لے رکھی ہے اک دستِ عقوبت میں پناہ
میری ہستی پہ نہیں میرا اجارہ کوئی

ایک افسوں سے بندھے اڑتے چلے جاتے ہیں
لیے جاتا ہے پسِ دشت غبارہ کوئی

زندگی! ہم بھی تہی اسم نہ رہ جائیں کہیں
ہم سے منسوب ہو اب تیرا شمارہ کوئی

اک الگ رو میں ہی بہتا تھا یہ دریا صارمؔ
جب اسے مجھ سا میسر تھا کنارہ کوئی

ارشد جمال صارمؔ، منصورہ طبیہ کالج، مالیگاوں

تعارف وتبصرہ

پیمان قلم

شاعر: مختار عاشقی جونپوری

مرتب: سلمان جونپوری

صفحات:232، **قیمت**:250روپے،

اشاعت:2014

ناشر: محمد سلمان ممتاز احمد شیخ (سلمان جونپوری) 23اقراڈ پلیکس نزد سدا کی ڈھابی، نارول، گجرات

مبصر:سعید اختر اعظمی

حیات مقصدیت سے عبارت ہے۔ بے مقصد زندگی اُس گل رنگیں کی مانند ہے جو خوشبو سے عاری ہو۔ زیست مشام جاں کو معطر کرنے والی بہار ہے جس میں بادصرصر کے تند و تیز جھونکے بھی ہیں۔ یہ ایسی خوشگوار صبح ہے جو ڈھلتی شام کے دامن میں پناہ لیتی ہے۔ یہ نغمہ شادمانی کے ساتھ ساتھ داستان اشک بھی ہے۔مختار عاشقی جونپوری (محمد مختار نذیر احمد، ولادت:25 مئی 1929،وفات:16 جنوری 2018) زندگی کو دانہ ودام کے حوالے سے دیکھتے ہیں جس میں درد دل ،سوز محبت ،موج غم اور فکر معاش کا عنصر نمایاں ہے۔ان کی شاعری کے رگ وپے میں رومان کے یہی عناصر رواں دواں ہیں۔

’پیمان قلم‘ مختار عاشقی جونپوری کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو’انداز بیاں اور‘(2007) کے سات برس بعد منظر عام پر آیا ہے۔حمد ونعت،منقبت،غزلوں اور قطعات پہ مشتمل متنوع جہت یہ شاعری قوس قزح کی مانند ہے۔بطور نمونہ چند اشعار۔

سجا ہوا تھا ستاروں سے دامن ہستی   شب فراق بڑی شاندار گزری ہے

....

پاؤ گے خاک منزل ہستی کا تم سراغ   جذب عمل ہے خام تو تاریک ہے نگاہ

....

شب فراق ہے، غم ہے، خلش ہے، آنسو ہے   مری حیات ہے تنہا بھی انجمن کی طرح

....

اپنی ہی آگ میں جل جائے نہ دامان حیات   ہر نفس شعلہ بداماں ہے، خدا خیر کرے

....

ہر شام کے پہلو سے سحر پھوٹ کے نکلی   لیکن ہے مری شام مری شام ابھی تک

وصل وفراق سے ہم آہنگ فلسفہ حیات کا یہ پہلو روایت سے انضباط کا آئینہ دار ہے۔اسی کے شانہ بہ شانہ رومان کی نشاط آمیز کائنات بھی قاری کے دل کی آواز بن گئی ہے۔

حسن کا التفات کیا کہیے   دل بھی مجھ سے ہوا ہے بیگانہ

....

پکارتی ہے بہر گام سرخوشی لیکن   میں کر رہا ہوں ترے غم کا احترام ابھی

....

آئے ہیں مجھ سے پوچھنے وہ آرزو مری   جب سوزش فراق سے حسرت ہی جل گئی

....

آ کاش کی نیلی چادر میں جب سلمی ستارہ ٹکتا ہے   تب یاد تمھاری آتی ہے مجبور وفا کو بہلانے

ہر سانس میں کیف غم جاناں ہے نمایاں   آپے میں نہیں مستی میخوار تو دیکھو

دیگر موضوعات کی کہکشاں بھی شعری محاسن سے آراستہ و پیراستہ ہے۔یہ اشعار دیکھیے۔

بات وہ ہے جو اثر انداز ہو   تیر وہ ہے جو نشانے پر لگے

....

اک خاص تشنگی کا اثر ہوگا جس گھڑی   میرے قریب چل کے سمندر بھی آئے گا

....

بہت ہی شور تھا زاہد کی پارسائی کا   مئے طہور سے دامن مگر بچا نہ سکا

....

چمن میں دورِخزاں حاصل بہار تو ہے　　یہ اور بات ہے تسلیم ہم کریں، نہ کریں

....

جس نے ہاتھوں کی لکیروں کو مقدر سمجھا　　راہ کی گرد کو اُس شخص سے بہتر سمجھا

....

طائر رنگیں نوا غفلت کا پردہ چاک کر　　تاک میں صیاد بیٹھا ہے ابھی تیرے لیے

عقیل انصاری، ایس ایم عباس ،عارف برقی، عقیل شاطر انصاری ،وفا جونپوری اور محمد عرفان جونپوری کی آراء سے مرصع 'پیمان قلم' زوال زبان کا مرثیہ پڑھنے والوں کو کچو کے بھی لگا تا ہے جو خدمت اردو میں لگے رہنے والوں کے لیے حوصلہ افزا ہے۔

پیغام عمل دیتا ہوا دنیا کو　　طوفان کے سینے سے گزر جاتا ہے
اردو پہ ستم اور ذرا ہونے دو　　تپتا ہے جو سونا تو نکھر جاتا ہے

آپ کے خطوط

بشریٰ کمال، نئی دہلی

ماہنامہ حیات نو پابندی کے ساتھ تو نہیں، البتہ وقتاً فوقتاً پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ ابھی میرے ہاتھوں میں ماہ ستمبر کا شمارہ ہے۔ اس شمارے میں خاص طور پر محمد اکمل فلاحی صاحب کا مضمون ''اساتذہ اور طلبہ کا مقام اور کام'' بہت ہی پسند آیا۔

موصوف نے بہت ہی عرق ریزی کے ساتھ یہ مضمون قلم بند کیا ہے، مجھے لگتا ہے کہ یہ مضمون اساتذہ اور طلبہ کے دوطرفہ تعلقات اور ان تعلقات کی اہمیت وافادیت کو یقینی بنانے والا ایک شاندار مضمون ہے۔ یہ تعلق اور رشتہ جتنا مضبوط اور توانا ہوگا، استفادے اور افادے کا عمل اتنا ہی بامقصد اور بھرپور ہوگا۔

صاحب مضمون کا یہ احساس بالکل درست ہے کہ ''درس گاہ کے روح رواں طلبہ اور اساتذہ ہی ہوتے ہیں، سارا اہتمام وانتظام انہی کے لیے ہوتا ہے۔ دونوں مل کر اسے رونق بخشتے ہیں۔ مگر جب ''روح'' ماند پڑنے لگے اور اس کے اندر سے احساس ختم ہونے لگے تو دونوں کو مل کر اس میں ''نئی روح'' پھونکنے کی عملی کوشش کرنی چاہیے۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں کا مقام بہت بلند ہے۔ اور مقام کے اعتبار سے کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ طلبہ اپنا کام کرنا شروع کردیں اور اساتذہ اپنا کام تو چمن میں علم کی بَہار لَوٹ آئے۔ اس تحریر میں اسی بات پر ابھارا گیا ہے کہ اساتذہ وطلبہ اپنے مقام کو پہچانیں، اپنے کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اسے پوری لگن کے ساتھ انجام دیں۔'' اس مضمون کو مدارس کے طلبہ واساتذہ کے درمیان خاص طور سے عام کرنے کی ضرورت ہے۔ امید کہ آئندہ بھی اس طرح کے جامع اور بھرپور قسم کے مضامین شامل اشاعت کیے جاتے رہیں گے۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلیٰ، جامعۃ الفلاح

ناظم جامعہ کا کلیۃ البنات میں توسیعی لکچر

۱۲/اگست ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ کلیۃ البنات میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے 'العقیدۃ اولاً لماذا؟' کے عنوان کے تحت طالبات سے خطاب کیا۔

اس خطاب میں مولانا نے عقیدہ کے لغوی واصطلاحی مفہوم کو خوب تفصیل سے سمجھانے کے ساتھ ساتھ طالبات کو اس بات کی ترغیب دلائی کہ وہ حسن البنا شہید کی 'کتاب العقائد' کا مطالعہ کریں، یہ اپنے موضوع پر سب سے اچھی اور جامع کتاب ہے، اس موقع پر مولانا نے اسلامی عقیدہ کی نمایاں خصوصیات کا بھی تذکرہ کیا۔

مہتمم تعلیم وتربیت کا کلیۃ البنات میں توسیعی لکچر

مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب (مہتمم تعلیم وتربیت) کا کلیۃ البنات میں ایک توسیعی لکچر بعنوان 'حمیدالدین فراہیؒ کے اصول تفسیر' ہوا۔ مولانا نے فکر فراہی اور علامہ فراہیؒ کے اصول تفسیر پر مفصل ومدلل اور سیر حاصل گفتگو کی اور علامہ فراہیؒ کی تفسیر کی بہت سی مثالیں بھی پیش کیں۔

جامعہ میں یوم عاشورا کے روزہ کا اہتمام

۲۱-۲۲/ستمبر ۲۰۱۸ء بمطابق ۱۰-۱۱/محرم الحرام ۱۴۴۰ھ بروز جمعہ وشنبہ جامعہ میں معمول کے مطابق اجتماعی طور پر روزہ کا اہتمام کیا گیا۔ پہلے دن سحری کا مناسب نظم نہ ہونے کی وجہ سے اکثر طلبہ روزہ کا اہتمام نہیں کر سکے۔ البتہ دوسرے دن سکریٹری جمعیۃ الطلبہ نے منشی مطبخ سے بات چیت کی، جس کی وجہ سے دوسرے دن سحری کا نظم پہلے دن سے بہتر رہا۔ اس موقع پر افطار کا بھی اچھا نظم رہا۔

ایس آئی اوفلاح یونٹ کی جانب سے ایک اہم لکچر کا انعقاد

۲۴ر ستمبر ۲۰۱۸ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں ایس آئی او فلاح یونٹ کی جانب سے ایک مہم (Understanding Maudoodi Compaign Sep19 to 25, 2018) کے عنوان پر چلی، جس میں ایک خطاب جناب مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب کا ہوا۔

استاذ محترم جناب مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نے فکر مودودی کی قرآنی بنیادیں کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن سے اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ جماعت اسلامی ہند کا پورا نقشہ سید سلیمان ندوی نے پیش کیا اور مولانا مودودی نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔ اقامت دین کا تصور سید سلیمان ندوی نے جماعت اسلامی کے قیام سے پہلے پیش کیا تھا۔ امریکہ نے ایسے ادارے تیار کر رکھے ہیں جہاں کے عالم دین، یہودی عیسائی ہوتے ہیں اور مسلمان ان سے رجوع کرتے ہیں، کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ ہمارا امام، مفتی اور عالم کون ہے؟ یہودی یا عیسائی ہے یا ہندو لیکن اقتدار جب ہمارا ہوگا تو ہم صحیح اور غیر صحیح کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

دنیا میں مسلمان سب سے زیادہ ہندوستان میں ہیں لیکن سب سے زیادہ اختلافات ہندوستان کے اندر ہیں کیونکہ ہندوستان کے مسلمان سب سے زیادہ طاقتور اور علمی لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔ جبکہ دوسرے مسلم ممالک اتنے زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ سید قطب شہید نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں ۳۲ر جگہ تفہیم القرآن اور مولانا مودودی کا حوالہ دیا ہے۔ بنگلہ دیش کی جماعت اسلامی کے لوگوں کو پھانسی دی گئی۔ مختلف الزامات لگا کر۔ اسی طرح یہودی اپنے نبیوں کو جھوٹی عدالتوں میں مقدمہ قائم کر کے قتل کرتے تھے۔ دنیا میں جو تحریکیں قائم ہیں ان کی فکر قرآن کی بنیاد پر ہے۔ اس لیے حالات کو پڑھیے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ نظامت کے فرائض محمد اشہد (فضیلت سال دوم) نے انجام دیے۔

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب کو صدمہ

۲۷ر ستمبر ۲۰۱۸ء بروز پنجشنبہ جامعہ کے صدر مدرس و معاون مہتمم جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ ذمہ داران جامعہ اور ذمہ داران انجمن نے مولانا موصوف کی خدمت میں اپنے تعزیتی احساسات پیش کیے، اور جامعہ سے طلبہ اور اساتذہ نے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت بھی کی۔

تعلیمی وتربیتی امور ومسائل کا جائزہ اور مشورے

۲؍اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام ’تعلیمی وتربیتی امور ومسائل کا جائزہ اور مشورے‘ کے عنوان پر منعقد ہوا۔ مولانا اقبال احمد اصلاحی ندوی صاحب کی تلاوت قرآن مع ترجمہ سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ افتتاحی کلمات مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعۃ الفلاح نے قلیل مدت میں ہندوستان بھر میں شہرت حاصل کرلی لیکن اب یہ احساس ہورہا ہے کہ یہاں کے تعلیمی نظام پر لوگوں کا اعتماد کم ہوتا جارہا ہے۔ یہاں کی تعلیم کا معیار گھٹ رہا ہے۔ اس لیے اساتذہ کرام وقت کی پابندی کریں۔ مطالعہ کے ساتھ شوق تدریس اپنے اندر پیدا کریں تاکہ تعلیمی معیار بلند ہوسکے۔

اس کے بعد تمام شعبہ جات کے صدور نے پانچ پانچ منٹ میں اپنی تعلیمی رپورٹس پیش کیں جن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ ماسٹر شہنواز صاحب	شعبہ ابتدائی
۲۔ مولانا کمال الدین فلاحی صاحب	شعبہ ثانوی
۳۔ مولانا محمد زاہد قاسمی صاحب	شعبہ حفظ
۴۔ مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب	شعبہ اعلیٰ
۵۔ مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی	شعبہ نگرانی

تعلیمی وتربیتی رپورٹ کے بعد بعض اساتذۂ کرام نے رائے اور تجاویز پیش کیں۔ صدارتی خطاب میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے فرمایا کہ جامعہ کے قیام کا ایک واضح مقصد ہے۔ یہ ادارہ ایک تحریکی ادارہ ہے۔ اس لیے اساتذۂ کرام کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ادارہ کیا ہے؟ اور کیوں قائم ہوا؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ تحریک کو جس طرح کے افراد کی ضرورت ہے یہ ادارہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’بعثت معلماً‘‘ اور معلم یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس لیے ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کریں اور اسی کے مطابق عمل کریں۔ کیونکہ اساتذہ معلم ومربی دونوں ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ یہ طے کرلیجئے کہ ہمیں ایک مثالی استاذ بننا ہے۔ اس پروگرام میں جامعہ کے جملہ شعبہ جات کے اساتذہ کرام نے شرکت کی۔ نظامت کے

فرائض جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی مدنی صاحب نے انجام دیے۔

جامعہ میں جماعت اسلامی یوپی مشرق کے اجتماع عام کے سلسلے میں نشست

۴/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز پنجشنبہ ابواللیث ہال میں ایک نشست جماعت اسلامی ہند کے یوپی مشرق کے ایک پروگرام کے سلسلے میں اساتذہ کرام کے ہمراہ ہوئی۔ پروگرام کا آغاز جناب مولانا اقبال احمد اصلاحی ندوی صاحب کی تلاوت قرآن مع ترجمہ سے ہوا۔ افتتاحی کلمات مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت اسلامی یوپی مشرق کے اجتماع عام کا ایک خاص مقصد ہے۔ ملک کے حالات اس وقت بگڑتے جارہے ہیں۔ اس لیے جماعت کا یہ پروگرام منعقد ہورہا ہے تاکہ اسلام کی حقانیت کو بیان کیا جائے گا اور لوگ اسلام کو صحیح طریقہ سے سمجھ سکیں اور اپنی اہمیت کو پہچان سکیں۔ پروگرام کا مرکزی عنوان 'ولقد کرمنا بنی آدم' ہے۔ جماعت نے انسانیت کے ساتھ مدارس کے نصاب اور ملکی حالات کے علاوہ مختلف سمتوں میں کام کیا ہے۔

ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ آج ساری قوموں کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو اپنے راستے سے ہٹانا ہے۔ اسی لیے جماعت اسلامی قرآن کے پیغام کو لے کر اٹھی ہے تاکہ لوگوں کو صحیح اسلام کے بارے میں معلوم ہوسکے۔ اسی لیے جماعت اسلامی نے شروع ہی سے اس جانب خاص توجہ دی ہے۔ چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ مختلف مکاتب فکر کو قریب کرنے کی کوشش بھی جماعت نے کی ہے اور جماعت نے مدارس پر بھی کام کیا ہے۔ مختلف زبانوں اور مختلف موضوعات پر جماعت نے نصاب تیار کیا ہے۔ جو ایک خاص مقصد اور نصب العین کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح جماعت نے مختلف خیال کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ جماعت اسلامی ہم سے اور اس امت سے کیا چاہتی ہے ہمیں یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اختتامی کلمات جناب ماسٹر حبیب احمد صاحب (امیر مقامی) نے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

ایس آئی او فلاح یونٹ کا ایک ورکشاپ

۵/اکتوبر بروز جمعہ ایس آئی او جامعۃ الفلاح یونٹ کی جانب سے ایک ورکشاپ منعقد کیا گیا۔ جس کا عنوان ''اقامت دین کی عصری معنویت'' تھا۔ اس کے ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔اقامت دین کامفہوم

۲۔تصوراقامت دین قرآن میں

۳۔تصوراقامت دین اورسنت رسولؐ

۴۔تصوراقامت دین اورعلماءاورفقہاءکی نظرمیں

۵۔بیسویں صدی میں مولانا مودودی کامجددانہ کارنامہ

۶۔اقامت دین پراعتراضات کاجائزہ

اس ورکشاپ کے خصوصی مہمان جناب خان یاسر ایس آئی اومرکز سے تشریف لائے۔یہ ورکشاپ تین سیشن پرمشتمل تھا۔

پہلاسیشن بعدنماز جمعہ ہوا،جس میں اسوسی ایٹ اورممبرسےخصوصی خطاب کیا گیا۔دوسراسیشن بعد نمازمغرب خطاب عام کی شکل میں ہوا۔تیسراسیشن بعدنمازعشاءاس میں سوال وجواب ہوا۔

دریا متلاطم ہوترےموج گہر سے

Understanding Maududi Campaign Sep.19 to 25 2018

ایس آئی اوفلاح یونٹ کی جانب سے جامعہ میں ایک مہم مندرجہ بالاعنوان کے تحت ہوئی۔جس میں مختلف عنوانات پرمولانا مودودی کی فکری وعصری معنویت کی وضاحت کی گئی۔

اس کے تحت پہلے دن وال میگزین کااجراءہوا،جس میں مولانا مودودی کے مختلف حکمت بھرے اقوال شائع ہوئے اورمولانا مودودی کےاقوال جامعہ کےدرودیوار پر چسپاں کیے گئے۔برادرمعاذ کے ذریعہ دوسرے دن شہادت حق کا خلاصہ پیش کیا گیا۔تیسرے دن’’عالم اسلام کی تعمیر میں مسلمان طلبہ کا کردار‘‘ کا خلاصہ برادرامجد نے پیش کیا۔اسی دن یعنی ۲۱رستمبرکومولانا مودودی حیات وخدمات کے عنوان پرمولانا محمدعمران خان فلاحی صاحب کاخصوصی لیکچرہوا۔چوتھے دن’’دین حق‘‘ کا خلاصہ پیش کیا گیاجس کو برادراشہد نے پیش کیا۔پانچویں دن خصوصی خطاب فکرمودودی کی قرآنی بنیادیں کے عنوان پرمولانانظام الدین اصلاحی صاحب کےذریعہ ابواللیث ہال میں پیش کیا گیا۔چھٹے دن عصرحاضر میں فکرمودودی کی معنویت کےعنوان پرابوالاعلی سیدسبحانی نے لائبریری کے بالائی ہال میں لیکچردیا۔مہم کے آخری دن’’مولانا مودودی کےتجدیدی کارنامے‘‘ کےعنوان کےتحت مولانا طاہرمدنی صاحب کا

خصوصی خطاب ہوا۔ دوران مہم مختلف ہاسٹلس کا دورہ صدر یونٹ برادر عبداللہ امین صاحب کے ذریعہ کیا گیا۔ جس میں برادر موصوف نے کیمپس کے مقصد کو واضح کیا اور مولانا کے افکار و خدمات کی تشریح کی۔ اسی دوران کینٹین کے سامنے ایک نکڑ پروگرام بھی منعقد ہوا جس میں مولانا مودودی کی شخصیت کا تنقیدی جائزہ برادر امجد اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ پیش کیا گیا اور مولانا مودودی کے تعلق سے غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا۔

اساتذۂ جامعہ سے ڈاکٹر محمد قدیر صاحب کا خطاب

۷/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں جناب ڈاکٹر محمد قدیر صاحب (سکریٹری عنایہ فاؤنڈیشن، کریلی، الہ آباد) کا ایک لکچر اساتذہ کے لیے ہوا۔ جناب مولانا اقبال احمد اصلاحی ندوی صاحب کی تلاوت قرآن مع ترجمہ سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ جناب ڈاکٹر محمد قدیر صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ جب خواتین امید سے ہوں تو ان کی جانچ ضرور کرائیں۔ علاج اچھے ڈاکٹر سے مشورے کے بعد کرائیں۔ ولادت کے سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لیں، پیسے بچانے کے چکر میں نہ رہیں۔ ورنہ پیسے بچانے کے چکر میں بچہ زندگی بھر مختلف اذیتوں کا شکار رہے گا۔ اس لیے اچھا علاج کرائیں اور اچھے ڈاکٹروں کے مشوروں پر عمل کریں۔ جناب ڈاکٹر محمد عارف صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

عصر حاضر کے تعلیمی چیلنجز اور ہماری ذمہ داریاں

۹/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ جامعہ کی مرکزی لائبریری کے ریڈنگ ہال میں ایک پروگرام ''عصر حاضر کے تعلیمی چیلنجز اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان پر منعقد ہوا۔ استقبالیہ کلمات مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کیے۔ جناب ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہر شخص کے سامنے زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے اور اسی کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز کا ایک مقصد ہونا چاہیے۔ مقصد زندگی کے ساتھ ساتھ ضروریات کا بھی تعین ہونا چاہیے۔ آج زمانہ مختلف فیلڈ میں تخصص اور مہارت حاصل کرنے کا ہے۔ اسی لیے ہمیں کسی ایک میدان میں ماہر ہونا چاہیے۔ زندگی کا مقصد محض روپے کمانا نہیں ہے۔ اگر ایک لاکھ کمانے والا معاشرے میں اثرانداز نہیں اور دس ہزار کمانے والا معاشرے میں اثر انداز ہوتا ہے تو دس ہزار کمانے والا بہتر

ہے۔ جناب سعید احمد صاحب نے فرمایا کہ انسان کو ہمیشہ سیکھتے رہنا چاہیے۔ ہمیں اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ علم انسان کو سنوارنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ روپے کمانے کے لیے۔ علم نوکری کے لیے نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو ترقی دینا، ایک نیا رخ دینا اور حوصلہ پیدا کرنا علم کا مقصد ہوتا ہے۔ جناب محمد عبدالقدیر صاحب نے حفظ قرآن پلس کا تعارف کرایا۔ صدارتی خطاب میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے فرمایا کہ جامعۃ الفلاح اب محتاج تعارف نہیں رہا، یہاں ابتداء ہی سے طلبہ کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعلیم کا مکمل نظم ہے۔ اسی طرح یہاں کے شعبہ حفظ کے طلبہ کو حفظ کے ساتھ ساتھ اردو، ہندی، انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے انجام دیے۔ اس پروگرام میں عالمیت کے آخری و فضیلت درجات کے علاوہ اساتذۂ کرام نے شرکت کی۔

تقریب تقسیم انعامات

۱۰/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی۔ اس میں تین مسابقوں کے انعامات تقسیم کیے گئے۔ ماذا تحب ان تکون، حفظ متون اور ایس آئی او آف انڈیا کی جانب سے کل ہند مسابقہ میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔ ایس آئی او آف انڈیا کے کل ہند مسابقہ میں مندرجہ ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

۱۔ زبیر محبوب کوئز اول
۲۔ کاشف اللہ کوئز اول
۳۔ اسامہ فیضان حفظ قرآن اول
۴۔ فیصل قمر اعظمی حفظ قرآن اول
۵۔ محمد ذیشان کوئز دوم
۶۔ محمد اسماعیل کوئز دوم
۷۔ محمد اشہد ڈبیٹ دوم
۸۔ معاذ ابوصالح ڈبیٹ دوم
۹۔ صفی الرحمٰن نبیل مقالہ سوم

نتائج مسابقہ حفظ متون

گروپ:۲عربی چہارم وپنجم حفظ منظومۃ القلائد البرھانیۃ فی علم الفرائض میں مندرجہ ذیل طلبہ وطالبات نے پوزیشن حاصل کی:

نام	درجہ	کیفیت
۱۔محمد نقی احمد	عربی چہارم	اول پوزیشن
۲۔سید محمد اسماعیل	عربی چہارم	اول پوزیشن
۳۔اقصی خالد	عربی پنجم	اول پوزیشن
۴۔خالد سیف اللہ	عربی چہارم	اول پوزیشن
۵۔ذیشان احمد	عربی چہارم	اول پوزیشن
۶۔مبشرہ اشہد	عربی چہارم	اول پوزیشن
۷۔شارحہ شاہ عالم	عربی چہارم	اول پوزیشن
۸۔محمد عاطف آصف	عربی پنجم	دوم پوزیشن
۹۔میر حسن	عربی چہارم	دوم پوزیشن
۱۰۔عارض احمد	عربی پنجم	دوم پوزیشن
۱۱۔عبدالمنان	عربی چہارم	سوم پوزیشن

گروپ:۳عربی دوم وسوم (حفظ حدیث بلوغ المرام باب البر والصلۃ مع شرح حدیث)۱۲۵۲تا ۱۳۵۶) میں مندرجہ ذیل طلبہ وطالبات نے پوزیشن حاصل کی:

نام	درجہ	کیفیت
۱۔محمد عمر اشرفی	عربی سوم	اول پوزیشن
۲۔رحیمہ فہیم	عربی سوم اول	پوزیشن
۳۔محمد ساجد مقبول	عربی سوم سوم	پوزیشن
۴۔محمد عاطف عبدالمنان	عربی سوم	اول پوزیشن
۵۔فرحہ تنویر	عربی دوم	دوم پوزیشن

گروپ :۴ عربی اول (حفظ تحفۃ الاعراب مع شرح اشعار) میں درج ذیل طلبہ و طالبات نے پوزیشن حاصل کی:

نام	درجہ	کیفیت
ا۔محمد مدثر	عربی اول	اول پوزیشن
۲۔عائشہ صدیقہ	عربی اول	دوم پوزیشن
۳۔محمد اسامہ فیضان	عربی اول	دوم پوزیشن
۴۔حافظ ناعمہ عظیم	عربی اول	سوم پوزیشن

گروپ:۵ شعبہ ثانوی (ماثورہ دعاؤں کو حفظ کرنا) میں مندرجہ ذیل طالبات نے پوزیشن حاصل کی:

نام	درجہ	کیفیت
ا۔مریم فیض عالم	ششم	اول پوزیشن
۲۔سندس امیر فیصل	ہفتم	دوم پوزیشن
۳۔عزوہ طارق	ہشتم	سوم پوزیشن
۴۔طوبیٰ خورشید	ششم	اول پوزیشن
۵۔صفا جمشید عالم	ششم	دوم پوزیشن
٦۔مریم فرح	ششم	سوم پوزیشن
۷۔محمد عظمت	ہفتم	سوم پوزیشن

گروپ نمبر ٦ شعبہ حفظ (ماثور دعاؤں کو حفظ کرنا) میں درج ذیل طلبہ و طالبات نے پوزیشن حاصل کیں:

نام	درجہ	کیفیت
ا۔عائشہ سہیل	حفظ ہشتم	اول
۲۔ثنا الیاس ح	فط ہشتم	اول پوزیشن
۳۔حبیبہ نیاز	حفظ ہشتم	اول پوزیشن
۴۔مریم اشرفی	حفظ ہشتم	اول پوزیشن

۵۔علشبہ مقبول	حفظ ہفتم	اول پوزیشن
۶۔رحیمہ رضوان	حفظ ششم	اول پوزیشن
۷۔کاشف سکندر	حفظ ہشتم پاس	دوم پوزیشن
۸۔منزہ شاہد	حفظ ہفتم	سوم پوزیشن
۹۔نجویٰ شفق	حفظ ہشتم	اول پوزیشن
۱۰۔منزہ عزیز	حفظ ہشتم	اول پوزیشن
۱۱۔آسیہ عزیز	حفظ ہشتم	اول پوزیشن
۱۲۔منتشا آصف	حفظ ہشتم	اول پوزیشن
۱۳۔سدرہ اقبال	حفظ ششم	اول پوزیشن
۱۴۔منتشا جمال	حفظ ششم	دوم پوزیشن
۱۵۔سلیم سکندر	حفظ ہشتم پاس	دوم پوزیشن

گروپ نمبر ۷ شعبہ ابتدائی (چہارم وپنجم) ماثور دعاؤں کے حفظ میں درج ذیل طلبہ وطالبات نے پوزیشن حاصل کی:

نام	درجہ	کیفیت
۱۔ہشام نسیم	چہارم	اول پوزیشن
۲۔محمد امثل رعاب	چہارم	اول پوزیشن
۳۔عارش توحید	پنجم	دوم پوزیشن
۴۔نبیل اثری	چہارم	سوم پوزیشن
۵۔محمد صائم عبدالعلی	چہارم	سوم پوزیشن

مولانا اشفاق احمد صاحب کا سانحہ ارتحال

۲۱/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے جناب اشفاق احمد صاحب (سابق سکریٹری شعبہ تعلیم جماعت اسلامی ہند) کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ان کی خدمات جلیلہ کو سراہا اور ان کے بلند درجات کی دعا

کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کانعم البدل عطا کرے۔ آمین۔ اس موقع پر آپ نے تحریک کی تاریخ اور حالات حاضرہ پر مختصر مگر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب کا لکچر

۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز چہار شنبہ ابواللیث ہال میں ایک لکچر جناب پروفیسر مسعود احمد صاحب (حیدرآباد) کا بعنوان "Know Your Nation" ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے مہمان کا تعارف کراتے ہوئے افتتاحی کلمات پیش کیے۔ جناب پروفیسر مسعود صاحب نے اپنے خطاب میں ہندوستان کا موازنہ دوسرے ممالک سے کر کے مختلف چیزوں میں نمایاں فرق کی وضاحت کی۔ ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں رہنے والے لوگوں کی سوچ کا بھی تذکرہ کیا۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کا یہ لکچر طلبہ نے بہت شوق سے سنا۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب نے انجام دیے۔ اسی طرح مہمان ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا ایک لکچر نسواں کلیۃ البنات میں بھی ہوا۔

ضوابط برائے صدر دروازہ جامعۃ الفلاح

کئی سالوں سے مسلسل جامعہ کا گیٹ چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے آمد و رفت کا سلسہ جاری رہتا تھا۔ طلبہ بھی دیر رات تک باہر سے آتے رہتے تھے۔ چنانچہ جامعہ کے نظام کو اصول و ضوابط کا پابند بنانے کے لیے گیٹ سے متعلق کچھ ضوابط طے کیے گئے ہیں تاکہ ماحول مزید بہتر ہو سکے، اور اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں۔

۱۔ گیٹ ہر وقت بند رہے گا حسب ضرورت ہی کھولا جائے گا۔

۲۔ گیٹ پر جس کی ڈیوٹی ہو وہ اندر ہی رہے باہر نہ رہے۔

۳۔ اساتذہ، کارکنان اور طلبہ اپنی موٹر سائیکل مین گیٹ پر اسٹینڈ میں ہی کھڑی کریں گے اور سائیکل سے آنے والے اساتذہ، کارکنان وطلبہ اپنی سائیکلوں کو دفتر اہتمام سے متصل خالی جگہ (اسٹینڈ) میں کھڑی کریں گے۔

۴۔ وقفہ کے دوران گیٹ بند رہے گا۔ طلبہ کو اس دوران باہر (اپنے گھر) جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۵۔ جامعہ کا کوئی خاص مہمان ہو تو اس کی گاڑی کو مہمان خانہ تک آنے کی اجازت رہے گی۔

۶۔طلبہ کے لیے حسب تفصیل درج ذیل ضوابط ہوں گے۔

الف۔صبح میں الارم سے نصف گھنٹہ قبل حسب ضرورت باہر جاسکتے ہیں۔

ب۔عصر اور مغرب کے درمیان ضرورتاً باہر جاسکتے ہیں البتہ مغرب تک واپسی ضروری ہے۔

ج۔ بروز جمعہ حسب ضرورت ۱۲/ بجے دن تک باہر جانے کی اجازت ہوگی۔

د۔دیگر اوقات میں اگر کوئی ضرورت پڑ جائے تو نگراں سے تحریری اجازت لینے کے بعد ہی جاسکتے ہیں۔

ہ۔غیر بورڈر طلبہ مسجد اور لائبریری میں نگران اعلیٰ سے گیٹ پاس حاصل کرنے کے بعد ہی آسکتے ہیں۔

و۔غیر طالب علم کو جامعہ کیمپس میں بلانا جرم ہے، بلانے والے طالب علم کا داخلہ منسوخ کردیا جائے گا۔

و۔طلبہ صدر دروازے سے ہی آئیں جائیں اور ہر وقت شناختی کارڈ ساتھ رکھیں اور عندالطلب ضرور دکھائیں۔

نوٹ: گیٹ کیپر حضرات ضوابط پر عمل کے سلسلے میں افہام وتفہیم سے کام لیں اور لوگوں کو سمجھا بجھا کر ان پر عمل کرائیں کسی کے ساتھ غیر مناسب انداز اختیار نہ کریں۔نیز گیٹ پر ایک رجسٹر رکھیں جس میں باہر سے آنے والے حضرات کا نام اور جن سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ان کا نام تحریر کریں۔ نیز گیٹ کیپر حضرات اپنی نمازیں گیٹ سے متصل کمروں میں ہی ادا کریں۔